دیوانہ پن

واحبہ فاطمہ

****

بڑی افراتفری تھی سکول میں جیسے جانے کون سے لینڈ لارڈ کا شہزادہ گلفام اپنی شاہی بگی پر سوار اپنی شہزادی کو چننے ڈھڈیال کے چھوٹے سے گاؤں کے معمولی سے سکول میں تشریف لا رہا تھا۔ اس نازک جان نے حیرت

سے اپنی بڑی بڑی ہرنی سی آنکھیں گھما کر کلاس کی کھڑکی سے باہر کا جائزہ لیا۔

"یہ ہو کیا رہا ہے یہاں، حرم نے اپنی سہیلی سے سرگوشی نما آواز میں پوچھا تھا۔۔

"تمھیں نہیں پتا یار، گاؤں کے سردار جہانگیر شیرداد کا اکلوتا بیٹا جازم جہانگیر شیرداد پانچ سال بعد باہر کے ملک سے واپس گاؤں آچکا ہے، اور سب سے خاص بات ہمارے ہی سکول کے ایف ایس سی کالج والے سیکشن میں پڑھنے آئے گا،، لڑکیاں تو دیکھ کر ہی پاگل

ہو گئی ہیں، اتنا کوئی ہینڈسم اور ڈیشنگ ہے، گورا چٹا

سرخ و سفید رنگ، لمبا قد، موٹی آکھ تے اتھے رکھ،

مہر خود بڑی اکسائٹڈ تھی اسی لیے جب بولی تو زبان نے

بند ہونے کا نام نا لیا۔ جبکہ حرم نے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔۔

چلو،!! ڈفر ہیں یہ لڑکیاں بھی، پہلے اس نمونے واحد"

مجسم کے ارد گرد منڈلا کر فضول میں اسے چنے کی جھاڑ

پر چڑھا رکھا تھا صرف اس وجہ سے کہ وہ بحرین سے

یہاں آیا تھا، اب ایک اور نمونے کو دیوتا بنا کر اسے

پوچھیں گی اور اس کا پہلے سے خراب دماغ اور خراب

کریں گی، افسوس،

اس نے واضح طور پر کیوٹ سا منہ بناتے مہر کو چڑایا

تھا اور جواب میں وہ چڑ بھی گئی تبھی پانچوں انگلیاں

کھول کر ہاتھ دکھا کر اس پر لعنت ضرور بھیجی تھی

جواب میں وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

برسوں بعد اپنے سکول کی سرزمین پر اپنے دوستوں کے ہمراہ قدم رکھا تھا۔ وجیہہ ترین سرخ و سفید چہرے کے کھڑے تیکھے نقوش میں اس قدر جاذبیت تھی کہ ان پر سجے مغرور و سنجیدہ تاثرات بھی جچتے تھے۔۔ لڑکیاں تتلیوں کی مانند اس کے ارد گرد منڈلا رہی تھی۔۔ ہر کوئی اس ثانی یوسف کو ایک مرتبہ ضرور مڑ کر دیکھتی تھی۔ لیکن وہ اتنا ہی آدم بیزار انسان ثابت ہوا تھا۔ یا یوں کہنا بہتر ہوگا کہ 'حوا' بیزار تھا کیونکہ بچپن سے لے کر آج تک اسے اس صنف کی جانب سے اتنی

توجہ ملی تھی کہ اس کا مغرور ہونا بنتا تھا۔ وہ تھا بھی تو

اس قدر مردانہ وجاہت کا شہکار انسان۔

یہ مڈل سے لے کر میٹرک تک کا لڑکیوں کا سیکشن تھا

جس کے بلکل سامنے ایف اے، ایف ایس سی کا

سیکشن بنا ہوا تھا۔۔ جس میں لڑکے لڑکیوں کو اکٹھا

پڑھایا جاتا تھا۔ کیونکہ گاؤں کے ارد گرد میلوں دور تک

کوئی سکول کالج نہیں تھا تو اساتذہ کو بوائز سیکشن

یہیں مینج کرنا پڑتا تھا۔۔

بھاری قدموں کی بوجھل دھمک کئی کم سن دلوں میں

تار بجا رہی تھی مگر سیاہ شلوار قمیض میں جازم جہانگیر

شیرداد کے ماتھے کے بل، بھنچے سرخ لب، براؤن

آنکھوں کی آنکھوں کی وحشت کو دیکھ کسی میں ہمت

نہیں تھی کہ اس کے پاس بھی پھٹکے۔۔ لیکن پھر

لڑکیوں کی نائنتھ کلاس کے باہر سے گزرتے اس کے

قدم ایک کھڑکی کے قریب سے گزرتے ٹھٹھک کر رکے

تھے۔۔

چلو، !!! ڈفر ہیں یہ لڑکیاں بھی، پہلے اس نمونے واحد"

مجسم کے ارد گرد منڈلا کر فضول میں اسے چننے کی جھاڑ

پر چڑھا رکھا تھا صرف اس وجہ سے کہ وہ بحرین سے

یہاں آیا تھا، اب ایک اور نمونے کو دیوتا بنا کر اسے

پوجیں گی اور اس کا پہلے سے خراب دماغ اور خراب

کریں گی، افسوس"

غیض و غضب کی شدت سے اس نے اپنی مٹھیاں

اس زور سے بھینچیں کہ بازوؤں کی رگیں پھٹنے کے

قریب ہو گئیں۔۔ لیکن اپنے اندر ہونے والی غضب

کی توڑ پھوڑ کے برعکس وہ چہرے پر سنجیدگی طاری کیے عمر اور ارسلان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔۔

کلاس میں قدم رکھتے جیسے پورے ماحول پر اس کی شخصیت کا سحر طاری ہو گیا۔ وہ ایف ایس سی پارٹ ون کا طالب علم تھا۔ سکول باپ کی جاگیر کا حصہ تھا محاورتاً نہیں حقیقت میں۔ سو وہ کسی بھی تعارف کا محتاج نہیں تھا۔ میل ٹیچر نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔ کلاس کی تمام لڑکیاں اس کی جانب متوجہ رہیں۔ لیکن اس کا موڈ بری طرح خراب تھا۔

"کالج کے بعد جنگل میں شکار کرنے چلیں جازم،؟"

عمر اس کی جانب ذرا سا جھکا تھا۔ جبکہ وہ ایگزیم چیئیر پر بیٹھا بلیک بورڈ کی جانب دیکھنے کی بجائے اپنی قیمتی ترین گھڑی میں ٹائم دیکھنے میں مصروف تھا۔

"ہمم، شیور، اس نے مختصر جواب میں اپنی رضامندی دی تھی۔

"تو پھر ڈن ہو گیا، وہ کافی پرجوش تھا۔ کلاس ختم ہوئی تو وہ لوگ باہر نکلے۔ وہ اپنی خاموش قاتل نگاہوں کا جواں سالہ قہر چھپائے اپنی نظریں جھکائے دوستوں

کے ہمراہ کلاس کے سامنے والے گراؤنڈ میں چل رہا تھا کہ دفعتاً اسے نسوانی نرم و حلاوت بھری ایک آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز کو پہچان چکا تھا۔ وہ اس آواز کو پہچان سکتا تھا۔۔

کلاس میں پورے وقت مہر سے جازم جہانگیر نامہ سن کر اس کے کان بری طرح پک گئے تھے تبھی اس نے مہر کو بری طرح جھڑک دیا تھا۔

اے بس کر بھی، مجھے تمھارے اس جازم لازم کازم "
میں کوئی انٹرسٹ نہیں، اسی لیے کان پکانا بند کر
بہن اور اسے پٹانے کے ایک سو ایک طریقے سوچ، حرم
نے ایسے ٹھینگا دکھایا تو وہ ناراض ہو کر کلاس سے باہر
نکلی تھی۔ حرم اس کے پیچھے لپکی۔

"مہر، میری بات تو سنو یار، وہ اسے آواز دیتی کلاس
سے باہر اس کے پیچھے بھاگی تھی-- کہ باہر گراؤنڈ میں
نکل کر پہلے مہر اور پھر اس کے پیچھے وہ ٹھٹھک کر
اپنی جگہ پر رکی تھی۔ مہر اسے دیوانہ وار دیکھ رہی تھی۔

جبکہ اس کے دوست دلچسپی سے (کسی تماشے کے لگنے کے منتظر) تمام منظر کو دیکھ رہے تھے۔

جازم جہانگیر شیرداد نے اس آواز کے تعاقب میں اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے پیچھے کھڑی لڑکی کو نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔

حرم نے ایک نظر اس یونانی دیوتا کو دیکھا جو واقعی بہت اچانک پریوں اور طلسماتی کہانیوں سے نکل کر ان کے سکول میں ان کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا مگر ماتھے پر

بیشمار بل لیے۔ سرد و سپاٹ چہرہ جس پر غضبناک قہر بھرے تاثرات سجے تھے۔

اسے شہد رنگ عجیب و غریب وحشت بھری نگاہوں سے اپنی جانب تکتے پا کر وہ بری طرح چونکی تھی۔ پھر سر جھٹک کر مہر کی جانب لپکی جو پتھر کی مورت بنی اسے شودوں کی طرح بس دیکھے جا رہی تھی۔

"واٹ دا ہیل از دس، کیا جاہلوں سے پالا پڑ گیا ہے، اس کالج میں کوئی پرائیویسی نام کی چیز بھی ہے کہ نہیں، میرے چہرے سے شہد ٹپک رہا ہے جو ہر کوئی

آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا ہے، درندہ ہوں میں مجھ سے بچ کر رہنا، آخر وہ دھاڑا تھا۔ اور اس کی دھاڑ پر ارد گرد اکٹھا ہوتا ہجوم بوکھلاتے پل میں منتشر ہو گیا تھا۔

ادھر حرم کو کہاں گوارا تھا سہیلی کی پہلے دن ہی براہ راست بے عزتی ہو جائے (کہ ابھی تو وہ بھیڑیے کی طرح غراتا سب کو سنا رہا تھا) جو اپنی نسوانیت و خودداری کی پرواہ کیے بغیر اس کے سامنے تنی کھڑی تھی۔

چل مر یہاں سے، وہ مہر کے کان میں پھنکاری اور"

اسے بازو سے گھسیٹ کر پل بھر میں ان کی نگاہوں

سے اوجھل ہو گئی۔

جازم جہانگیر شیرداد نے سر جھٹکا تھا۔ یہ توجہ طلب

کرنے کا کوئی انوکھا انداز تھا، مختلف؟ سب سے الگ

تاکہ وہ متوجہ ہو۔ پہلے اسے کھڑکی کے پاس دیکھ کر

انجام بنتے الٹا سیدھا بولو۔ پھر اپنی سہیلی کو اس کے

پیچھے بھیجو اور پھر سہیلی کو ہی ڈانٹ ڈپٹ کرتے ڈرامہ

کرو۔

الگ طریقے کی 'شِٹ' تھی، وہ بڑبڑایا اور سر جھٹکتے آگے بڑھ گیا۔

"بابا آپ مجھے آخر بتاتے کیوں نہیں کہ میرا نکاح کس سے ہوا ہے اور نکاح نامہ کدھر ہے، کھانے کی میز پر اپنے سامنے پڑی پلیٹ دھماکے سے زمین بوس کرتا جازم جہانگیر شیرداد حلق کے بل چلایا تھا۔ ماں نسیم بیگم نے اس کے تیور دیکھ کر دہل کر اپنا دل تھاما تھا۔

کیوں تم نے 'رخصتی' لینی ہے، جوانی سنبھالی نہیں"
جا رہی، کچھ جلدی نہیں برخوردار،؟ چوہدری جہانگیر شیرداد
کا اطمینان قابل دید تھا جو بڑی رغبت سے مٹن کڑاہی
کے ساتھ انصاف کرتے اپنی اکلوتی اولاد کے تیور
ملاحظہ کر رہے تھے۔

نہیں اس گھٹیا لڑکی کا وجود اس صفحہ ہستی سے مٹانا)
ہے۔ جو میرے گلے کی ہڈی بنی ہوئی ہے۔ نا نگلنے بنتی
ہے ناں اگلنے۔ یوں بھی ان دنوں آس پاس کے کئی

گاؤں، گراؤں میں لڑکیوں کے قتل ہو رہے تھے اگر ایک اور ہو جاتا تو کسی کو کیا پتہ چلنا تھا۔)

وہ جس کا اکلوتا بڑا بھائی عشق میں ناکامی پر خود کشی کر کے مر گیا تھا اس خوبرو شہزادے کو زندگی بھر کا زخم دے گیا تھا جو کہ اب ناسور بنتا جا رہا تھا۔ آج سے پانچ سال پہلے جب یہ حادثہ ہوا تو ماں باپ نے اسے اس صدمے سے باہر نکالنے کو اور اسے اس قسم کے کسی بھی حادثہ سے بچانے کو آسٹریلیا بھیج دیا تھا۔ لیکن جانے سے پہلے اس کا نکاح اپنی مرضی سے کر دیا تھا

تاکہ وہ بھی محبت جیسے جان لیوا مرض میں مبتلا ہو کر اپنی زندگی برباد نا کر لے۔ لیکن یہ سات آسمان تو اب واپسی پر اس کے سر پر ٹوٹے تھے کہ صنف مخالف سے شدید ترین نفرت میں مبتلا وہ شخص پوری طرح کسی صنف نازک سے منسوب ہے۔ اور وہ اس نسبت کو بھڑکتی آگ کے شعلوں کے نذر کر دینا چاہتا تھا۔ جب سے سنا تھا تب سے انگاروں پر لوٹ گیا تھا۔ اور اس لڑکی کو سچ مچ جہنم واصل کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔ تبھی اس کا آتا پتا معلوم کرنا چاہتا تھا مگر ابھی

تک نا کوئی سراغ ہاتھ لگا تھا نا ماں باپ کچھ بتاتے تھے۔

"میں جو بھی کروں لیکن مجھے جاننا ہے کہ میرے ماں باپ نے کس کے ساتھ میری زندگی برباد کی ہے،

زہریلے سے لہجے میں بلا کی تلخی تھی سردار جہانگیر شیرداد پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا جو آگ کے ڈھیر پر بیٹھا پھنکار رہا تھا۔

"مہر نام ہے اس کا، اور کیا جاننا ہے؟ وہ سنجیدگی سے بولے۔

کس کی بیٹی ہے؟ نکاح نامہ کہاں ہے میرا، اتہ پتہ"

کیا ہے؟

کرنا کیا ہے تم نے؟ وہ بھی جھنجھلائے تھے۔"

ملنا ہے، بے باکی سے بولتا وہ باپ کا چہرہ غیض و"

غضب اور شرمندگی کی شدت سے سرخ کر گیا۔

یہ تمھارا بے حیا آسٹریلیا نہیں پاکستان ہے، عمر دیکھی"

ہے اپنی اس طرح کی باتیں کرنے کی؟ رخصتی سے

پہلے ملنا منع ہے، اور رہی رخصتی تو وہ ابھی تمھارا باپ

زندہ ہے یہ طے کرنے کے لیے کہ وہ کب ہوگی، ابھی

تو تمھاری بیوی بھی پندرہ سال کی ہے تو سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔ پانچ چھ سال تو بھول جاؤ رخصتی کو، سمجھے

حتمی لہجہ پختہ الفاظ وہ بول کر وہاں سے جا چکے تھے

جبکہ وہ گیلی لکڑی کی مانند سلگتا اپنے کمرے میں بند

ہوا تھا۔۔

کالج کے پلے گراونڈ میں ایک طوفان بدتمیزی سا برپا تھا۔ آج سپورٹس ڈے تھا تو فرسٹ ائیر کے لڑکے سیکنڈ ائیر کے لڑکوں سے کرکٹ میچ کھیل رہے تھے۔ اور ان کو چئیر کرنے ان کی کلاس کی لڑکیاں، نائنتھ ٹینتھ کی لڑکیاں اساتذہ کے ساتھ گراؤنڈ سے باہر پتھروں پر بیٹھی کافی شور شرابہ مچائے ہوئے تھیں۔ اس شور کی اصل وجہ جازم جہانگیر شیرداد کا بیٹنگ کے لیے آنا تھا۔ وہ وکٹ پر کھڑا ہوا اور اچٹتی سی نظر کراؤڈ پر ڈالی۔

اے مہر، پیچھے ہٹ مجھے بھی دیکھنے دے، کوئی لڑکی" چلائی تھی۔ وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا۔ نظر اپنے دائیں جانب ڈالی تو اس دن والی پہلی لڑکی اسے ہی دیوانہ وار دیکھنے میں مصروف تھی۔ وہاں وہ آواز والی لڑکی نہیں تھی۔ بلکہ مہر تھی۔ اور مہر نامی ہر لڑکی اب اس کے نشانے پر تھی۔ تبھی اگلے ہی لمحے اس کا بیٹ گھوما تھا اور ہارڈ بال نے مہر کا کندھا جیسے اپنی جگہ سے ہلا ڈالا۔ اس کی دلدوز چیخ پورے گروانڈ میں گونجی تھی۔ وہ کندھا تھام کر زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔پل میں سب

اس کے گرد جمع ہو گئے وہ اطمینان سے چلتا اس تک آیا تھا۔

"ارے کوئی حرم کو بلاؤ، وہ کہاں ہے؟ ہجوم میں سے ہی کسی کو یاد آیا تھا۔

"کیا ہوا ہے سر، کیا ہوا انھیں، سوری میں نے آپ کو دیکھا نہیں،، بھاری گھمبیر جادوئی لہجہ، ایک لمحہ کو تو ہجوم میں ہوتی بھنبھناہٹ تھم سی گئی تھی۔ روتی ہوئی مہر بھی پوری طرح سنگدل ظالم کی جانب متوجہ ہوئی

تھی جس کا پتھر بھی اب پھول بن کر دل کو لگ رہا تھا۔

کیا ہوا ہے، ہٹو پیچھے، مہر کدھر ہے، مہر کیا ہوا ہے" تمھیں، زیادہ چوٹ تو نہیں لگی، ہجوم کو چیرتی وہ خود گھبرائی ہوئی سی مہر کے قریب آئی تھی۔ اس کا سوجا ہوا کندھا دیکھ تن بدن میں آگ لگ گئی جبکہ (کلاس فیلو) ثنا اسے من و عن تمام واقع بتا چکی تھی۔

اور آپ؟ اپنی آنکھوں کا علاج کروائیں جا کر، کیا" بات؟ شارٹ لگاتے اتنی بڑی لڑکی دکھائی نہیں دی

آپ کو، انتہائی تلخ لہجے میں تیکھے الفاظ بولے گئے تھے۔

جازم نے ایک قہر بار اچٹتی سی نظر اس چھوٹی سی لڑکی کے سرخ چہرے پر ڈالی۔

"بیہیو حرم، یہ سب غلطی سے ہوا، اور جازم معافی مانگ چکا ہے، سر مبشر نے سنجیدگی سے کہتے جازم جہانگیر شیرداد کی سائیڈ لی جس سے وہ مزید سلگ اٹھی تھی۔

"چھوڑو حرم، ان کی غلطی نہیں، مجھے گھر لے چلو، مہر نے اس کی جانب ہاتھ بڑھایا تو وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوئی۔ اسے سہارا دیا اور وہاں سے لے

جانے لگی۔ اپنے بڑے بڑے نین کٹوروں سے وہ اس

بدماغ بگڑے رئیس زادے کو ایک گھوری نوازانا بلکل نا

بھولی وہ جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا ایک آئیبرو اچکا کر

رہ گیا۔ لیکن وہ سر جھٹکتے اپنی دوست کو لے کر وہاں

سے چلی گئی۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

"بابا میرے سب سہیلیوں کے پاس موبائل فون ہیں،

مجھے بھی موبائل فون لے دیں ناں، وہ بھینسوں کا چارا

مکس کرتے سیمنٹ کی کھولی پر بیٹھی اپنے بابا کے کندھے سے تقریباً لٹک گئی تھی۔

"تیری ماں مجھے جان سے مار ڈالے گی مہر، اکلوتی اولاد ہونے کا ناجائز فایدہ نا اٹھا تنگ نا کر اور ابھی پچھلے دنوں ہی تو تیری فرمائش پر کیبل لگوائی ہے اب کیا گھر سے نکلوانا ہے تو نے مجھے، انھوں نے کورا کرارا جواب دیا تو وہ تلملا کر رہ گئی۔

"میری آج کل آپ کی بیوی سے بلکل نہیں بنتی" ویسے، وہ گھنگھرالے بالوں والی نازک سی گلابی گڑیا چڑ

کر بولی لیکن اگلے ہی لمحے ایک اڑتی چپل نے اس کی کمر سینک دی تھی--

بے بے' باپ کے سامنے شیرنی بنتی وہ چلا اٹھی۔"

کیا،؟ مجھ سے نہیں بنتی تو جان چھوڑ ہماری اور جا" چلی جا اگلے گھر، تیری روز روز کی بیہودہ فرمائشوں سے تو جان چھوٹے گی،، زارا نے اسے کوسا تھا جو آئے دن نت نئے فرمائشی پروگرام جاری کر کے باپ کو مشکل میں ڈال دیتی تھی۔

بابا دیکھ نا ماں کو، وہ نچلا ہونٹ بچوں کی طرح مروڑ کر"

رونے والے منہ بناتی باپ سے لپٹ گئی--

،،اچھا اچھا رو مت میری لاڈلی دھی میں دلا دوں گا"

دانش خان نے اس کے کان میں ہلکی سی سرگوشی کی

تھی تو وہ شرارت بھرے انداز میں مسکراتی وہاں سے

رفو چکر ہو گئی جبکہ ماں نے ماتھا پیٹا۔ زارا کی توپوں کا

رخ اب محبوب شوہر کی جانب ہو چکا تھا جو بیٹی کی بے

جا فرمائشیں پوری کرتے اسے بگاڑ رہے تھے۔

مہر کندھے کی تکلیف کی وجہ سے سکول نہیں آئی تھی

تو وہ ماں کے ہمراہ اس کی عیادت کو ان کے گھر آئی

لیکن مہر کی دگر گوں حالت دیکھ حرم کو حیرت و

صدمے کا جھٹکا سا لگا تھا۔ ماں اور ان کی سہیلی مہر کی

امی نے رسوئی کا رخ کیا تو وہ تو جیسے پھٹ پڑی تھی۔

یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے مہر، شکل دیکھی"

ہے اپنی برسوں کی مریضہ لگ رہی ہے، حرم کے کہنے

کی دیر تھی جب وہ پھوٹ پھوٹ کر روتی سہیلی کے

گلے لگی تھی۔

اور خدایا، یہ سب اس جاہل بدماغ سردار کی وجہ سے" ہے تو افسوس صد افسوس تمہاری عقل پہ مہر، تم تو ایسی ناں تھی کہ اپنی عزت، غیرت اور خودداری کو دو کوڑی کا کرتے یوں کسی کے قدموں میں ڈھیر ہونے کو تیار، ؟

حرم ابھی اسے کچھ اور لعنت ملامت کرتی مگر اس کے زور زور سے نفی میں سر ہلانے پر وہ خاموشی سے اسے بلکتا دیکھنے لگی۔

تم جانتی ہو حرم، میں ایسی نہیں، آج تک کبھی کسی"
کے پیچھے نہیں گئی، لڑکیاں اس واحد مجسم کے پیچھے
جاتی تھیں تو ہم کتنا مزاق اڑاتے تھے، میں تو تمھارے
جیسی ہی تھی ناں، مجھے نہیں پتہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟
وہ مجھے اچھا لگتا ہے، میں اسے دیکھ کر بے اختیار ہو
جاتی ہوں، دماغ سن ہو جاتا ہے اور دل بند، میں خود
اپنی حالت سے پریشان ہوں حرم، عجیب سبکی محسوس
ہوتی ہے، پلیز مجھے اس شرمندگی سے بچا لو حرم،
وہ بات کرتے اس سے لپٹ گئی تھی۔

میں بھی تمھیں اسی شرمندگی سے بچانا چاہتی ہوں مہر، یہ کوئی عمر تو نہیں ہماری اس طرح کی باتیں کرنے کی، ہر بات کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے، وہ اچھا لگتا ہے تو یہ بات قسمت پر چھوڑ دو، خود کو سنبھالو، اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہو تم ان کا غرور، اپنے بھائی کا مان، جب وقت آئے گا دیکھی جائے گی،ابھی سے کیوں اپنی زندگی جہنم بنا رہی ہو مہر صبر کرو،

حرم نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس نے اس سے اسی وجہ سے ہی دوستی کی تھی کہ وہ بظاہر کتنی ہی

شوخ و چنچل اور چلبلی اور شرارتی تھی مگر اس زندگی کے ہر معاملے میں بے حد ذہین اور سمجھ دار تھی۔ اب بھی وہ اسے ساتھ لگائے سرگوشیوں میں تادیر بہت ساری باتیں سمجھاتی رہی تھی۔

ماں باپ حویلی میں موجود نہیں تھے اور اس نے پوری حویلی چھان ماری تھی۔

"آخر تم ڈھونڈ کیا رہے ہو جازم،؟ عمر نے حیران ہوتے پوچھا۔

"کسی کی دردناک موت کا پروانہ (نکاح نامہ)،؟ لہجے میں اژدھوں سی پھنکار سن کر عمر، ارسلان اور موسی حیران ہوئے تھے۔

"کیا مطلب؟ عمر نے اس گتھی کو سلجھانے کو اس بدماغ شخص سے الجھنے کی گستاخی کی تو اس نے مختصر الفاظ میں انھیں ساری بات بتا دی۔

ہم تمھیں اپنی 'بھابھی' کو ایک کھروچ بھی نہیں" لگانے دیں گے، عمر نے اس کا بازو دبوچ کر کہا تو جیسے اس کے وجود میں پارہ بھرنے لگا شریانیں پھٹنے کو ہو گئیں تھیں۔

شٹ اپ عمر جسٹ شٹ اپ، اپنے کام سے کام رکھو میرے معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوئی ضرورت نہیں، سرخ انگارا آنکھیں لیے وہ دھاڑا تھا۔ بدلحاظی کی حد کر دی۔ مگر انھیں عادت تھی۔ سو اس بدلحاظ کی بدلحاظی بھی جوتے کی نوک پر رکھی۔

(عمر جو اس کی خالہ کا بیٹا تھا اور ارسلان اور موسی جو

ماموں کے بیٹے تھے بچپن سے ایک دوسرے کی جان

جیتے تھے تبھی وہ ان کی بات سن بھی لیتا تھا اور سن

(کر برداشت بھی کر لیتا تھا

جازم جہانگیر شیرداد بند کرو اپنا یہ پاگل پن، وہ پوری"

حویلی کی چیزیں اُٹھ پٹخ کر رہا تھا جب وہ تینوں اسے

دبوچ کر اس کے کمرے میں لائے۔ کمرے میں آ کر

اس نے انھیں خود سے دور جھٹکا اور اپنے دراز سے

سگریٹ نکال کر تیزی سے سلگا کر اپنے سرخ لبوں

سے لگائی تو وہ تینوں اس کی جانب ترحم بھری نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے۔

اس پر بچپن یا لڑکپن آیا ہی کب تھا اتنی سی عمر میں اتنے بھیانک حادثے کی وجہ سے جان سے پیارے بھائی کے مر جانے نے اس کی شخصیت بکھیرتے اس کا تشخص پوری طرح مسخ کر ڈالا تھا۔ وہ اتنی چھوٹی عمر میں سگریٹ جیسی لت کا شکار ہو چکا تھا۔

پورا سائیکو پیتھ لگ رہا ہے، عمر نے کہا تھا جواب"
میں اس نے اسے ایسی گالی دی کہ عمر کی روح تک
بلبلا اٹھی۔

" اتنی سی عمر میں قاتل بنے گا، موسی اس کے
سامنے آیا تھا۔

ہاں، جواب اطمینان بھرا تھا۔"

" ضروری نہیں، طلاق دے دینا، یہاں ہمارے گاؤں
میں کسی لڑکی کے لیے طلاق ہی موت کا پروانہ ہوتی

ہے، شاید اس سے بھی بدتر، اتنے سالوں میں اول تو کوئی ہوئی نہیں، ہوئی بھی تو اس عورت نے خود کشی کرلی، تمھیں اپنے ہاتھ کسی کے خون میں رنگنے کی ضرورت نہیں، خاص کر اس مخلوق کی جس سے تو اتنی زیادہ نفرت کرتا ہے، موسی نے سنجیدگی سے کہتے اسے سکے کا دوسرا رخ دکھایا۔ وہ پراسرار تھا۔ بے تاثر و سپاٹ چہرے پر کسی قسم کے جذبات کا شائبہ تک نا تھا۔ سگریٹ لبوں سے لگاتے اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر اپنی وحشت ٹپکاتی لال انگارا آنکھیں

موند لیں۔ پتہ نہیں اس کے بھیجے میں کوئی بات گھسی بھی تھی کہ نہیں۔

یہ لگلے دن کی بات تھی وہ آج پھر گراؤنڈ میں کرکٹ کھیل رہے تھے۔ پورے سکول کی لڑکیاں یونہی پتھروں پر بیٹھی تھیں۔ جازم بیٹنگ کے لیے آیا تھا ایک سرسری سی نگاہ پھر سارے ہجوم پر ڈالی۔

طبیعت مکدور ہوئی۔ اندر کا غم و غصہ اور وحشت نکالنے کا کوئی ذریعہ نا ہاتھ آیا جسم و جاں میں شرارے سے پھوٹنے لگے۔

وہ دونوں اپنی کلاس کی لڑکیوں کے ساتھ سیکشن اے کی کلاس کے ساتھ والے صرف لڑکیوں کے لئے مختص کیے گراؤنڈ کی گھاس پر ریڈی گو کھیل رہی تھیں۔ مخالف ٹیم زمین پر بیٹھی باری دے رہی تھی۔ جبکہ حرم کی ٹیم زمین پر بیٹھی لڑکیوں کے درمیان بھاگنے کو تیار کھڑی تھی۔ جب مخالف ٹیم کی لیڈر نے بلند آواز میں چیلنجنگ انداز میں حرم سے کہا۔

"ریڈی گو"،

نمبر دو، حرم نے جواب دیا۔

ریڈی چار،

تیار ہی تیار، حرم کی آواز بلند تھی۔

بلکل تیار، بھاری سی آواز حرم کے پیچھے سے سنائی"

دی تو وہ سب چونک کر متوجہ ہوئیں جبکہ وہ قریب کھڑا

لبوں پر گہری مسکراہٹ سجائے، یونیفارم کی پینٹ میں

ہاتھ ڈالے حرم کو سر تا پیر گہری نگاہوں کے حصار میں

رکھے ہوئے تھا۔ حرم سلگ اٹھی۔

کیا بیہودگی ہے؟ تمیز نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں" یہاں کیا کر رہے ہو؟ سر سے کمپلین کروں،؟ وہ غصے کی شدت سے پھنکاری تھی مگر وہ اسی کا کلاس فیلو واحد مجسم تھا جو اس کے معاملے میں تقریباً چکنا گھڑا ثابت ہو رہا تھا۔

خاندانی منگ (منگیتر) اس کے پیچھے پاگل تھی تو) پورے سکول کی لڑکیاں اس سے امپریس نظر آتی تھیں ماسوائے اس لڑکی کے۔ اس لیے اسے اب منگ سے زیادہ سکول کی کسی بھی لڑکی سے زیادہ اسے صرف اور

صرف اس کانچ کی گڑیا جیسی لڑکی میں دلچسپی ہونے لگی تھی۔

"آئم سوری، میں ادھر آیا، وہ میں کل ایبسینٹ تھا"

سر نے ہی کہا کہ میرے سارے 'سوالوں' کے جواب' صرف آپ کے پاس ہیں؟ ذومعنی سا لہجہ تھا۔'

گراؤنڈ میں موجود ساری لڑکیاں معنی خیزی سے مسکرا رہی تھیں۔

کیا،؟ حرم کو تو گویا پتنگے ہی لگ گئے۔"

"میرا مطلب میتھ کا حل شدہ کوریکٹ چیپٹر آپ کے

پاس ہے تو انھوں نے کہا آپ سے لے لوں، اتنی سی

فیور چاہیے، دیں گی؟ وہ سراپا سوال بنا اس کے سامنے

اس کا تلملایا چہرہ مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ جانے

کیوں مگر اس لڑکی کا معصوم مگر غصے سے تپا ہوا گلابی

چہرہ دیکھ اسے اتنا اچھا کیوں لگتا تھا؟ (اسے خود سمجھ نا

آتی تھی۔)

"ریسیس کے بعد دے دوں گی، وہ دانت پیس کر بولی

گویا کہنا چاہتی تھی اب شکل گم کرو۔ وہ کان کھجاتا

لبوں پر دلفریب اور شریر سی مسکان سجائے وہاں سے نکل گیا تھا۔

"ایک تو دنیا کے ہر چیپ نمونے نے ہمارے سکول میں ہی موجود ہونا تھا میرا کلیجہ جلانے کو الو کا پٹھا، اس نے زیر لب بڑبڑاتے اسے گالی دے کر اپنا جلتا کلیجہ ٹھنڈا کیا تھا۔

"چھوڑو دفع کرو، کیوں جل ککڑی بنی ہوئی ہو، مہر نے مسکراتے اسے اپنی جانب متوجہ کیا۔

"سمعیہ دوبارا شروع کرو، مہر کی کہنے کی دیر تھی کہ سمعیہ اب انھیں ہاتھ لگانے ان کی جانب بھاگی تھی۔ جلد ہی ٹیم کی ساری لڑکیاں آؤٹ ہو گئیں۔ لیکن ابھی بھی حرم اور مہر باقی تھیں جو کھلکھلا کر ہنستی سمعیہ کی پہنچ۔ سے دور بھاگ رہی تھی۔

"ندا گو، سمعیہ نے ندا کی جگہ لی۔ ندا مہر کے کافی قریب تھی لیکن وہ اسے چکما دے کر حرم کی جانب بھاگی۔ حرم نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کلاس کے پیچھے بنی چار فٹ کی راہ داری میں تیزی سے بھاگیں۔ ندا

ان کے پیچھے تھی۔ سب سے پہلے راہ داری سے مہر

باہر نکلی اور سامنے سے آتے ایک شخص کے کندھے

سے بری طرح ٹکرائی۔ حرم نے اس کے پیچھے بھاگتے

ٹھٹھک کر بریک لگائی تھی۔

وہ اس سے ٹکرائی تھی یا شاید اپنے پاس کھڑے جازم

جہانگیر شیرداد کے اوپر قیامت صغریٰ برپا کر گئی تھی۔

کہ اسے اپنا آپا کھونے میں ایک سیکنڈ کا بھی وقت نا

لگا۔ عمر، ارسلان اور موسی بھی حق دق رہ گئے۔

واٹ دا ہیل از دس یو چیپ گرل، سٹے اوے فرام"

می، دھاڑ کر کہتے اس نے مہر کو پوری طاقت سے خود

سے دور دھکا دیا تو وہ اپنے پیچھے موجود کلاس کی دیوار

سے ایک دھماکے سے ٹکرائی۔

آیھھہ،،، مہر کے منہ سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔ کہ کمر"

اور پچھلے سر پر بری طرح چوٹ لگی تھی۔

مہر، حرم چلا اٹھی اور لپک کر اس کے سامنے آتے"

اس کی ڈھال بنی۔

جازم جہانگیر نے اب قہر و غضب برساتی سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا جو اس کے سامنے شیرنی بنی تن کر کھڑی اسے قہر بار نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

ادھر جازم کی شدت برداشت سے اس کی ماتھے کی رگیں پوری طرح پھول گئیں تھیں۔ سفید چہرے پر غصے کی سرخی کا قہر برس پڑا۔

"تم خود ہو گے چیپ گھٹیا انسان، کہا بھی تھا اپنی آنکھوں کا علاج کرواؤ، لیکن تمھیں تو دماغ کے علاج کی بھی بڑی سخت ضرورت ہے، تمھاری ماں نے تمھیں

تربیت نہیں دی کہ لڑکیوں سے کیسے پیش آتے ہیں،

یہ گرلز پلے گراونڈ کا حصہ ہے، خود ہی بے نتھے بیل

کی طرح لڑکیوں میں گھسے،،، آہہہہہہہہہہہہ،،،،

بہت اچانک حرم کی نیلے سکارف میں لپٹی نازک گردن

ایک آہنی شکنجے کی گرفت میں آئی تھی۔

"کیا کر رہے ہو جازم چھوڑو اسے، عمر، ارسلان اور

موسی بری طرح گڑبڑا کر چلاتے اس کی جانب لپکے

تھے۔

جازم نے اسے گردن سے دبوچ کر دیوار سے پن کیا۔

حرم کو لگا آج اس کا دنیا پر آخری دن ہے سامنے اسے اس وحشی درندے کی صورت اپنی موت دکھائی دی تھی۔ حرم نے اپنے ناخنوں سے اس کے ہاتھ نوچ ڈالے مگر اس حیوان پر کچھ اثر نا ہوا تھا۔ نین کٹوروں سے پانی بہہ کر گالوں پر پھسل آیا۔ لمحہ بہ لمحہ دم گھٹتا، سانس رکتا اور گلے کی ہڈی چٹختی محسوس ہوئی۔

جازم بند کرو اپنا یہ پاگل پن، عمر نے اپنی پوری'' طاقت لگا کر اس کا ہاتھ پیچھے کھینچا تھا۔ لیکن مہر

سمیت ماسوائے اس سنگدل شخص کے ان سب کی

جان پر تو تب بنی جب وہ نازک جان بے جان گڑیا کی

طرح زمین بوس ہوئی تھی۔

“Shhhhiiiitttttttt,

عمر کے منہ سے نکلا اور وہ الٹے قدموں پانی لینے بھاگا۔

حرم،،!!!؟ ندا اور مہر اسے پکارتیں اس کے اوپر"

جھکیں۔ مہر نے بری طرح روتے ہوئے اسے جھنجھوڑا۔

ندا اس کے ہاتھوں کو رب کرنے لگی۔ موسی بھی

زمین پر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ اب دنیا جہان کی سفاکی چہرے پر سجائے خاموشی سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔

عمر پانی لایا تھا جو اس نے مہر کو دیا وہ اپنی تمام تکلیف بھلائے حرم کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے لگی حرم کسمسائی تو سب کی جانب میں جان آئی۔

"میں پرنسپل آفس میں آپ کی کمپلین کروں گی، مہر" نے روتے ہوئے حرم کو سہارا دیا۔ جبکہ اس کی بات پر وہ شخص فرعونیت سے استہزایہ مسکرایا تھا۔

تمھیں لگتا ہے یہ کمپلین کر کے تم 'زندہ' یا سلامت"
بچو گی،؟ سرد و سفاک وارننگ دیتے لہجے نے مہر اور ندا
کو بری طرح خوفزدہ کیا تھا جبکہ حرم نے آہستگی سے
اپنی آنکھیں کھولیں تھیں۔

جازم چلو یہاں سے، وہ تینوں اسے گھسیٹ کر وہاں"
سے لے گئے تھے۔

مہر اور ندا روتی ہوئی حرم کو کلاس میں لائیں تھیں۔

میں چھوڑوں گی نہیں اس جانور کو، حرم کھانستے"
ہوئے دبی دبی آواز میں غرائی تھی آنکھوں سے آنسو
کھڑی کی صورت بہہ رہے تھے۔ لیکن مہر نے اس کے
آگے ہاتھ جوڑ ڈالے۔ وہ حقیقتاً اس حیوان سردار کی
سفاکیت سے خوفزدہ ہو چکی تھی۔ اسی لیے منت ترلے
کر کے حرم کو کوئی بھی سٹیپ لینے سے باز رکھا۔ جانتی
تھی کوئی فائدہ نہیں ہونے والا تھا۔ کوئی شنوائی نہیں
ہونے والی تھی۔ الٹا پورے سکول میں ان دونوں کی
بدنامی ہونے کا زیادہ خطرہ تھا۔ ریسیس بند ہو گئی۔

سب لڑکے لڑکیاں کلاس میں چلے آئے۔ حرم بری طرح رو رہی تھی جب واحد مجسم اس کی نوٹ بک لینے اس کے ڈیسک تک آیا۔

"ارے کیا ہوا، آپ رو رہی ہیں،؟ اس سے پہلے کے جازم جہانگیر کا سارا غم و غصہ وہ واحد مجسم پر الٹ دیتی مہر نے جلدی سے بات سنبھالی۔

"جی، کھیلتے ہوئے ہم گر گئے تھے، کافی چوٹ لگی ہے ہمیں، طبیعت خراب ہے حرم کی، بس اسی لئے،

مہر نے جلدی سے اس کے بیگ سے نوٹ بک نکال کر واحد کو پکڑا دی۔ وہ بغور اس کا رونے کی شدت سے سرخ پڑا چہرہ دیکھے گیا۔ پھر سر کے کلاس میں آنے کی وجہ سے وہاں سے ہٹ گیا تھا۔۔

مہر نے بڑی مشکل سے چپ کروایا تھا اسے۔ وہ آج اس کے ساتھ ہی اس کے گھر آئی تھی۔ گھر آکر کھانا کھایا۔ ماں نے بغور اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھا۔ سرخ اور

جامنی دھبوں سے سجا گلا تو سکارف سے چھپا کر ہی رکھا

۔

کیا ہوا ہے، تو روئی ہے آج،؟ کیا مسئلہ ہوا ہے،؟"

ماں نے پریشانی کے عالم میں پوچھا تھا۔

کچھ نہیں آنٹی، آج کلاس کی مخالف گروپ کی"

،لڑکیوں سے لڑائی ہو گئی تھی،بات مارپیٹ تک آ گئی

بس اسی لیے اور کوئی بات نہیں، مہر نے جلدی سے

بات سنبھالی نہیں تو حرم کی ماں جتنی سخت مزاج کی

خاتون تھیں انھوں نے زمین آسمان ایک کر دینا تھا۔

اے ہے، لڑکیاں ہو یا بھیڑوں کا ریوڑ، جو آپس میں ٹکریں مارتی رہیں، اتنی بڑی ہو گئی ہو یہ بچپنا کب جائے گا تم لوگوں کا، وہ حسب معمول ان دونوں کی گوشمالی کرنے وہیں بیٹھ گئیں۔ مہر نے بے بسی سے حرم کی جانب دیکھا۔ حرم نے کندھے اچکا دیئے۔

ماں آج سے ہم سلائی سنٹر جائیں گے، حرم نے ماں کا دھیان دوسری جانب مبذول کیا تو وہ قدرے پرُسکون ہوئیں۔

شکر ہے مہر النساء نے تمھیں بھی کوئی عقل کی"

بات سمجھائی، نہیں تو مجھے اور اپنے ابو کو تو کاٹھ کا الو

سمجھ رکھا ہے تم نے، جو اپنی ہی من مانی کرتی رہتی

ہو، وہ پھر سے شروع ہو گیئں تو حرم نے بے بسی

سے مہر کی جانب دیکھا جو اس کی عزت افزائی پر کھی

کھی کر رہی تھی۔

ماں بس بھی کریں، وہ اٹھ کر پاؤں پٹختی احتجاجاً وہاں"

سے واک آؤٹ کر گئی۔

وہ ڈیرے پر سوئمنگ پول کے کنارے پول چئیر پر نیم
دراز کافی دیر سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ عمر، ارسلان
اور موسی قریب ہی لان میں بیڈمنٹن کھیل رہے تھے۔
اس نے آج ان کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ کالج سے گھر
اور گھر سے وہ لوگ آج جازم جہانگیر شیرداد کے ڈیرے
پر آئے تھے۔ یہاں آکر عمر نے اس کے ہاتھوں پر
پٹیاں باندھ دی تھیں۔

وہ آج ان کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ بس پول چئیر پر
دراز کسی گہری سوچ میں تھا جب اچانک اس نے

اپنے ہاتھوں سے پٹیاں کھول کر اپنے ہاتھوں کو بغور دیکھا۔ سرخ و سفید ہاتھوں میں جہاں سبز و نیلے رنگ کی رگیں صاف ظاہر ہو رہی تھی وہاں ساتھ ہی کافی زیادہ کھروچیں اسے نئے سرے سے آگ کے ڈھیر پر بٹھا گیئں۔دل جان میں وحشت اور ویرانگی کے شعلے سے پھوٹنے لگے۔ جب وہ جھٹکے اٹھ کر عمر لوگوں تک آیا کہ اسے یوں اپنی جانب آتا دیکھ وہ تینوں بھی ٹھٹھک کر رکے تھے۔ ابھی وہ کچھ کہتا کہ اس کے بابا اپنے

مہمانوں کو فارغ کر یہاں سے جانے کے لیے ڈیرے کے مردان خانے سے نکل ان تک آئے تھے۔

چھوٹے سردار صاحب اگر تمھارے سر سے اپنی بیوی کو ڈھونڈنے کا بھوت اتر گیا ہے تو تمھاری ماں کہہ رہی تھی سدوال جانا ہے تمھاری پھپھی کے بیٹے کی شادی میں، تیاری کر لینا، سردار جہانگیر شیرداد نے سنجیدگی بھرے انداز میں اسے بغور دیکھتے نپے تلے الفاظ ادا کیے تھے مگر پھر بری طرح چونکے۔

یہ تمھارے ہاتھوں کو کیا ہوا ہے، وہ فکر مند ہوئے۔"

ایک لڑکی پر قاتلانہ حملہ کیا تھا اس نے مزاحمت"
کرتے نوچ ڈالا، اس نے اطمینان سے جواب دیتے
جہانگیر شیرداد کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی۔

بکواس کر رہا ہے خالو جان، جنگل گئے تھے وہاں"
جھاڑیوں سے کھروچیں آئی ہیں، عمر نے جلدی سے
بات سنبھالی تو جہانگیر شیرداد خونخوار نگاہوں سے بیٹے کو
گھوری سے نوازتے وہاں سے نکل گئے۔

تم واقعی پاگل ہو چکے ہو، عمر نے دانت پیسے۔"

ہاں ہو چکا ہوں، وہ لڑکی کیا کیا بکواس کر رہی تھی"

یہ دوسری اور آخری مرتبہ تھا، اس کی زبان تم لوگ بند

کرواؤ گے یا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کردوں،، وہ

پھر سے غضبناک ہوا تو عمر، موسی اور ارسلان اس کی

جانب دیکھ کر رہ گئے۔

ماں سے بڑی مشکل سے گلے کے نشان چھپائے تھے۔

اب بھی وہ کھیتوں سے گزرتی مہرو کو بلانے جا رہی

تھی تاکہ وہ اور حرم اکٹھے سلائی سینٹر جا سکیں۔ وہ والا

کھیت کراس کر کے ابھی اگلی پگڈنڈی پر قدم رکھا تھا۔ وہ سیمنٹ کی دو فٹ کی کھالی تھی جو کھیتوں کے درمیان چار طرف سے آپس میں مل رہی تھی۔ اس کے کھالی کے آس پاس قطار در قطار انجیر، انار اور آڑو کے درخت لگے ہوئے تھے۔ کافی جھاڑیاں بھی تھیں۔ یہاں سے اکیلے گزرتے اسے ہمیشہ خوف سا آتا تھا کہ کھالی کراس کرتے جھاڑیوں میں انسان چھپ سا جاتا۔ وہ کھالی کراس کرنے والی تھی جب وہ اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رکی تھی۔ زمین آسمان آنکھوں کے سامنے

گھوم گئے جبکہ خوف و دہشت کے باعث اس کا دل کانوں میں بجنے لگا تھا۔ وہ بزدل نہیں تھی مگر سامنے کھڑے وہ چار لڑکے اسے اپنی موت دکھائی دے رہے تھے خاص کر ان میں فرعون بنا کھڑا وہ شخص جو انتہائی تنفر سے اسے گھور رہا تھا۔ شہد کی جھیلوں میں پھنکارتا قہر چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ آج یہیں پر اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ کچھ ان کے ساتھ ایک بڑے منہ والا کتا تھا جو اب اسے دیکھ کر بھونکنے لگا تھا مگر عمر

کے ایک اشارے پر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ ان میں سے دو لڑکوں نے اس کا راستہ روکا تھا۔

اے لڑکی، تمھاری ہمت کیسے ہوئی تھی اس گاؤں" کے ہونے والے سردار کی اتنی بے عزتی کرنے کی، تمھارے بڑوں نے تمھیں اتنی تمیز نہیں سکھائی کہ سرداروں کی کی کیسے عزت کی جاتی ہے، تمھیں اپنی جان پیاری ہے کہ نہیں، آئندہ کے بعد تم نے ایسی گستاخی کی تو اپنا انجام سوچ لینا،

اتفاقاً عمر کے ہاتھ میں پانی کی چھوٹی بوتل تھی جو وہ اپنے ہاتھ میں ایسے لہرا رہا تھا جیسے کہ تیزاب کی بوتل ہو۔ (اس لڑکی کی بہتری کے لیے یہ کرنا ضروری تھا تاکہ وہ دوبارا اس سنکی شخص سے الجھنے کی غلطی نا کرے)

حرم بری طرح خوفزدہ ہوتی سہم گئی تھی۔ نیں کٹورے لبالب پانیوں سے بھر گئے۔ ہاتھوں میں لرزش پیدا ہوئی تھی اس نے اپنی چادر بہت زور سے مٹھیوں میں جکڑ لیا تھی۔

اس کے بعد موسی نے قہر بار لہجے میں اسے مزید خوفزدہ

کیا۔ جبکہ جازم جہانگیر شیرداد اب بڑے اطمینان سے

اس کا خوف کی شدت سے سفید پڑتا چہرہ بغور دیکھ رہا تھا

کہ نفرت تو اس پر صنف مخالف سے تھی مگر اس لڑکی

سے کوئی خاص قسم کی چڑ اور بیر تھا۔۔

"قینچی کی طرح زبان چلاتے اتنا خیال نہیں آتا کہ

سامنے کون کھڑا ہے، کیا چاہتی ہو تمھاری یہ زبان ہی

کاٹ کر کتے کو کھلا دی جائے؟ آج تو اس جرات کا

مظاہرہ کیا ہے آئندہ اگر سامنے بھی آئی خود سوچ لو

تمھارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے، جازم جہانگیر شیرداد اس

گاؤں کا ہونے والا سردار ہے، اس گاؤں کا کرتا دھرتا،

مالک!! مالک سمجھتی ہو ناں، اب اپنی اتنی بدتمیزی پر

اپنے سردار سے معافی مانگو گی تم ابھی اور اسی وقت وہ

بھی ان کا نام لے کر،

عمر نے اس کا راستہ چھوڑ دیا لیکن موسیٰ اب بھی اس

کی راہ میں حائل تھا۔ اس کی بات پر سہمی کانپتی ہرنی

نے اپنی آنکھیں زور سے بھینچ لیں۔

مانگو گی یا نہیں،؟ وہ دھاڑا تو اس کی دھاڑ پر حرم نے" کانپتے اپنے لبوں پر نرم و نازک گلابی کلائی رکھتے اپنی ہچکی روکی تھی۔

،،مم، معا،،،، معافی،،،،،،،،،،،، معافی چچ،چاہتی ہوں"

،سس،،،،،، سردار جی

اس کے ان الفاظ نے جازم جہانگیر شیرداد کی آنا کو کافی تسکین پہنچائی تھی وہ اس کے متواتر گرتے آنسو اب بغور دیکھ رہا تھا۔

بکھرے سے الفاظ ہچکیوں کی صورت ادا ہوئے۔ موسی نے اس کا راستہ چھوڑا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے تیزی سے نکل گئی جبکہ وہ لوگ اب حویلی کی جانب رواں دواں تھے۔

افتاں و خیزاں وہ گرتی پڑتی بڑی مشکل مہر کے گھر پہنچی تھی۔ اور اتفاقاً مہر کے گھر اس وقت کوئی موجود نہیں تھا سو وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ مہر کے ہاتھ پاؤں پھول چکے تھے تبھی

بڑی مشکل سے اسے پانی پلا کر چپ کروا کر پُرسکون کیا۔ تب اس نے خود پر بیتی قیامت کا احوال سنایا تو مہر بھی دھک سے رہ گئی۔ پسندیدگی اور بے اختیاری کا سارا بھوت کونے میں کہیں دم دبا کر جا سویا تھا۔ تصوراتی دنیا سے اِس پار حقیقت کا زہر اتنا تلخ تھا کہ تمام نوخیز جذبے زہر آلود ہو گئے تھے۔

حرم وعدہ کرو، آئندہ کے بعد اس ذہنی مریض"

، سے میری خاطر یا کسی بھی وجہ سے نہیں الجھو گی

وعدہ کرو، مہر نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"ہم اتنے بے بس کیوں ہیں مہر، اس یزید کو کوئی کیوں نہیں پوچھنے والا؟ وہ کیوں اپنی من مانی کرتا پھرتا ہے، وہ ظالم ظلم کی ہر حد پار کر رہا ہے اور ایسوں کی رسی تو اللہ تعالیٰ بھی دراز کیے رکھتے ہیں نا ان جیسے کمینوں کو موت آتی ہے"

اپنی ہچکیوں کے درمیان وہ اپنا اصل دکھ اور تکلیف آنسوؤں میں بہائے گئی۔ جبکہ اپنی اس بے بسی پر تو مہر بھی سخت آزردہ ہوئی تھی۔ پھر بڑی مشکل سے اس نے اسے چپ کروایا اور اس کا دھیان بٹایا۔ مہر

کے گھر میں کسی کی بھی غیر موجودگی کی وجہ سے وہ سلائی سنٹر بھی نہیں جا سکیں تھیں۔ اگلے دن اتوار تھا اور چھٹی تھی اسی لیے سکون ہی رہا کہ اس شخص کی منحوس شکل نہیں دیکھنی پڑی۔ اور اس سے اگلے تین دن تو ان کی عید ہی ہو گئی وہ سکول سے چھٹی پر تھا۔ انھیں نہیں پتہ تھا وہ شادی میں گیا ہے۔ مہر اور حرم کے یہ دن بہت پر سکون اور خوشگوار سے گزرے تھے کہ حرم نے دعا ہی مانگ لی کہ وہ منحوس آدمی کبھی واپس آلئے ہی نہیں۔ مگر دوسری طرف سکول میں

اس کی غیر موجودگی پر لڑکیوں کو آہیں بھرتے دیکھ وہ صدمے سے دوچار ہوتی رہی تھی۔ تب انتہائی تلخی سے مسکرا دیتی اور سوچتی کہ دور کے ڈھول سہانے ہیں۔ وہ دور سے سونا لگنے والا شخص قریب سے کھوٹے سکے سے بھی کئی زیادہ گیا گزرا ہے کوئی اس سے پوچھتا۔

اسمبلی کے بعد اس وقت سکول کے بڑے حال میں نائنتھ، ٹینتھ ، فرسٹ ائیر اور سیکنڈ ائیر کے طلبہ و طالبات کو ہفتے کہ اس دن اخلاقیات پر خصوصی لیکچر

دیا جاتا تھا۔ کلاس میں اکا دکا لڑکے موجود تھے۔ لڑکوں نے پہلے یہاں موجود ہونا تھا جبکہ لڑکیاں استاذہ کے ساتھ کلاس حال میں آتی تھیں۔ وہ آج چار دن بعد کالج آیا تھا اور تینوں دوستوں کے ساتھ اس وقت حال میں سب سے پہلے موجود تھا۔ ان کے بعد نائتھ کے دو لڑکے باتیں کرتے حال میں داخل ہوئے تھے۔ وہ آ کر جازم لوگوں کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ کہ دفعتاً ان کی آپس کی گفتگو میں ایک نام سن کر جازم چونکا اور مروجہ ہوا تھا۔۔

پوری کلاس میں یہ بات گردش کر رہی ہے واحد"
مجسم کہ تم اپنی کلاس فیلو 'حرم معراج' میں بہت
زیادہ دلچسپی لے رہے ہو، بہت زیادہ نہیں بلکہ حد سے
زیادہ، اور اس چکر میں ہماری ہونے والی بھابھی یعنی
اپنی فیانسی کو بھی بری طرح نظر انداز کر رہے ہو، اس
بات میں کتنی صداقت ہے میں یہ تمھارے منہ سے
سننا چاہتا ہوں، اس کے دوست شہزاد کی بات پر وہ
بہت گہرا سا مسکرایا تھا۔ خاموشی بہت معنی خیز سی
تھی۔ شہزاد بری طرح چونکا۔

تم جانتے ہو آج میں تم سے اگلوا کر دم لوں گا، وہ"

دانت پیس کر بولا۔

سچ ہے، مختصراً کہتے اس نے جیسے اپنا جرم قبول کیا"

تھا۔

لیکن کیوں،؟ شہزاد کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس نے"

کبھی اپنی فیانسی کے علاؤہ کسی میں یوں غیر ضروری

دلچسپی نا لی تھی۔ تو اب کیوں؟شہزاد کا حیران ہونا بنتا

تھا۔

انسانی فطرت ہے یار، وہ ہمیشہ بہت انوکھی، سب "
سے الگ! اچھوتی، اور سب سے خاص چیز کی جانب
بہت جلد متوجہ ہوتا ہے اور وہ اسے جانے انجانے اپنی
جانب کھینچ لیتی ہے، یوں کہ وہ انسان اپنی زندگی کی
باقی تمام چیزوں کو بھلا کر بس اس کا ہو کر رہ جاتا
ہے، میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے، وہ بہت خاص
ہے، بہت انوکھی سب سے الگ سب سے جدا، وہ ایسی
حور شمائل ہے جس نے میری روح کو اپنی جانب کھینچا

ہے، بے بس ہوں کہ اس کی جانب کھینچا چلا جا رہا ہوں،

دھیمے گھمبیر لہجے میں وہ جذب کے عالم میں بولا تھا۔ جبکہ ادھر چھوٹے سردار سائیں جو اس کی بات سن رہے تھے ایک انجانی آگ کا الاؤ سا سینے میں بھڑک اٹھا۔ نفرت و حقارت سے سر جھٹکا۔ (اونہوں وہ معمولی (دو ٹکے کی لڑکی اسے حور شمائل لگ رہی ہے۔ ڈفر

اللہ اکبر، اتنی سی عمر میں اتنی دقیق اردو اور فصاحت و" بلاغت والی شاعرانہ باتیں، بھائی اعتبار کر لیا تیری

بات پر، تو تو مجنوں والا عاشق بن گیا ہے، شہزاد نے اسے چھیڑا تو وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

،،لو وہ آگئیں، کر لو دیدار"

ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے جب حال میں تمام لڑکے چلے آئے۔وہ حال کے دائیں طرف بیٹھے تھے۔ اس کے بعد حال میں میل اور فی میل ٹیچرز کے ساتھ تمام لڑکیاں قطار میں داخل ہوئیں۔ تقریباً ہر دوسری تیسری لڑکی جازم جہانگیر شیرداد کی جانب متوجہ تھی جو سرخ و سفید رنگت لیے (سیاہ پینٹ اور وائٹ شرٹ)

یونیفارم میں ڈارک براؤن بال سلوٹ زدہ کشادہ روشن پیشانی پر بکھیرے خود سے بھی بے نیاز وہاں پر سکون سا کوئی طلسمی شہزادہ بنا بیٹھا تھا۔

مہر اور وہ مس یاسمین کے پیچھے کسی بات پر مسکراتی ہوئیں کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

حرم کب سے مہر کے کان میں گھسی مس یاسمین کے بارے میں (جو کلاس میں اکثر سوئی رہتی تھیں) ان کی اس عادت کے بارے میں مختلف چٹکلے چھوڑی مہر کو ہنسی کے مارے دہرا کر رہی تھی جو بمشکل کسی

بہانے سے اپنے لبوں پر ہاتھ جمائے اپنے ہنسی کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب تو پرنسپل سر کو یہ کہنا ہی پڑے گا، حرم نے" پھر سرگوشی کی۔

کیا؟"

یہ دولت بھی لے لو یہ شہرت بھی لے لو

ہمیں نہیں چاہیے یہ سوتی ہوئی عورت بھی لے لو

کہتے حرم کی بھی ایک دم سے ہنسی چھوٹی تھی جسے بمشکل اس نے اپنے لبوں پر اپنی چار انگلیاں جما کر روکا۔ مہر نے بہانے سے اسے ایک کہنی رسید کی تھی۔ ان دونوں کی دبی ہنسی کھلی ہنسی میں بدل جاتی مگر پھر ایک دم ان کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔ وہی ہوا جس کا ڈر تھا لڑکوں والی سائیڈ پر وہ ناپسندیدہ ترین شخص پہلی رو میں کرسی پر نواب بنا بیٹھا انھیں ہی عجیب نظروں سے گھور رہا تھا۔ سونے پر سہاگہ اس سے بلکل پچھلی رو میں وہ بیٹھا تھا جو بڑی دلچسپی سے اسی

طرف دیکھ رہا تھا۔ ناگواری ان دونوں کی رگوں میں سرائیت کر گئی ان کے پھیلے لب پل بھر میں سمٹے تھے۔ جازم نے خود کو دیکھ کر ان کی مسکراہٹ پل میں سمٹ جاتے ہوئے بغور دیکھا تھا۔ وہ چہروں پر سنجیدگی طاری کیے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گئیں۔

وہ محض تیسرے پیریڈ کے دوران ہی اس وقت پرنسپل کے کمرے میں ون سیٹر صوفے پر بیٹھی لب بھینچے بہت بری طرح اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔ اس وقت

کمرے میں پرسنل، وہ اور حرم، جازم جہانگیر شیرداد اور اس کے تینوں دوستوں کے علاؤہ ثنا بھی موجود تھی جو سفید پڑے چہرے کے ساتھ وہاں بیٹھی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ کم بخت نے ان کی لڑائی کا ڈھول کلاس میں بیٹھا تو بات جنگل میں لگی آگ کی طرح پورے کالج تک پھیلتی پرنسپل اعجاز اسلم تک جا پہنچی تھی۔ انھیں پتہ تو تب چلا جب پوری کلاس میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں سنائی دینی لگیں اور پھر یہ بلاوا۔

اس بات کے متعلق آپ کیا کہیں گے جازم بیٹا؟"

اس بات میں کتنی سچائی ہے؟ کیوں لڑائی ہوئی تھی؟

پرنسپل سر بھی اس کے سامنے نپے تلے الفاظ ادا کر رہے تھے۔

"میں اس بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، آپ نے پوچھنا ہے تو کسی اور سے پوچھ لیں، کیا شان بے نیازی اور لاپروائی تھی اس نے یہ بات کمال اطمینان سے کہی تو پرنسپل جزبز ہوئے مگر برداشت کر گئے۔

حرم اور مہر بیٹا آپ لوگ بتائیں کیا بات ہوئی تھی"

پرنسپل سر نے گویا ان کی گردنوں پر تلوار رکھی تھی۔

مہر نے خار کھائے انداز میں ثنا کو گھورا۔ حرم خاموش

رہی کہ وہ بولتی تو اس سے جھوٹ ہر گز نہیں بولا جانا

تھا ویسے بھی مہر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے

خاموش رہنے کا ہی اشارہ کیا تھا۔

سامنے وہ یونیفارم میں پینٹ کی پاکٹوں میں ہاتھ ڈالے

اپنے دوستوں کے ساتھ آکڑ کر کھڑا تھا جس کے پلے

اور تو کچھ نہیں تھا بس ان دونوں کی جانب آگ

برساتی نگاہوں سے بڑے چیلنجنگ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

سر ایسی کوئی بات نہیں ثنا جھوٹ بول رہی ہے، مہر"

نے کہا تو ثنا کو سانپ سونگھ گیا۔ مہر کی بات

جھٹلانے کی جرات نہیں کر سکتی تھی ایک چھوٹی سی

غلطی گلے پڑ چکی تھی۔ (منہ بند نا رکھنے کی غلطی) "ہم

بس کھیل رہے تھے اور بری طرح گر گئے، عمر بھائی

نے تو ہماری مدد بھی کی تھی، مس یاسمین سے ڈانٹ

نا پڑے اسی لیے کسی کو نہیں کہا، مہر کافی سوچ

سمجھ کر جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کی بات پر عمر اور موسی کے چہروں پل بھر کو شرمندگی کے آثار نظر آئے تھے۔ جبکہ جازم جہانگیر نے لاپروائی کا مظاہرہ کرتے پرنسپل سر کی جانب دیکھا۔

"اب اگر آپ کی تسلی ہو گئی ہو تو ہم جائیں سر، بڑا لٹھ مار انداز تھا کہ سر تلملا کر رہ گئے۔ مگر کرسی بہت پیاری تھی۔

"جائیں آپ لوگ بھی جائیں حرم اور مہر النساء بیٹا، جائیے،" پرنسپل نے کہنے کی دیر تھی جب جازم جہانگیر سب

سے پہلے وہاں سے نکلا تھا۔ مہر کھڑی ہوئی مگر حرم نے اسے بازو سے پکڑ کر رکنے کا اشارہ کیا۔ وہ آہستہ سے اٹھی تاکہ اتنے دیر میں کم از وہ وہ چار جن یہاں سے نکل جائیں۔اب سر ثنا کی درگت بناتے اس کی اچھی خاصی کلاس لے رہے تھے کہ وہ رو ہی پڑی۔ حرم اور مہر دروازے سے باہر نکلیں۔ سامنے طویل ترین راہ داری تھی۔ ان چاروں کے چلے جانے کے بعد وہ اپنی کلاس میں آئیں تھیں۔

اور پھر انھوں نے آگے چل کر سخت قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے یہی طرز عمل اپنائے رکھا۔ وہ کلاس سے کم و بیش ہی باہر نکلتی تھیں۔ زیادہ تر آؤٹ ڈور گیمز کی بجائے انڈور گیمز کھیلتی تھیں۔ سپورٹس ڈے پر بھی بوائز کی گیمز نہیں دیکھتی تھیں۔ بڑی کلاسز میں کوئی کام ہوتا تو اپنی بجائے کسی اور کو بھیج دیتیں۔ سکول سے آنے کے بعد ٹیوشن اور قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے جاتیں۔ دن پُرسکون سے پر لگا کر اڑ گئے اور پورا سال گزر گیا۔ وہ لوگ نائنتھ سے ٹینتھ

میں آ گئیں۔ اور دشمن فرسٹ ائیر سے سیکنڈ ائیر میں چلے گئے۔ وہ لوگ خوش تھیں مطمئن تھیں کہ زندگی پھر سے اپنے پرانے ڈگر پر چل نکلی ہے مگر یہ محض ایک خام خیالی تھی۔ بہت چپکے سے ایک بہت بڑا طوفان دبے پاؤں ان کی زندگیوں میں داخل ہونے والا تھا۔ ان کی زندگیوں کو تنکوں کی طرح بکھیرنے کے لیے۔

وہ لوگ اس وقت حویلی میں موجود تھے۔ کل جازم کا برتھ ڈے تھا اور عمر، موسی اور ارسلان نے آج بارہ بجے سے ہی دھماچوکڑی مچا رکھی تھی۔ جبکہ جازم جہانگیر شیرداد جسے یہ سب بلکل پسند نہیں تھا دنیا جہان کی بیزارگی اپنے خوبرو چہرے پر سجائے لان میں ایک طرف پڑے منقش چوبی جھولے پر براجمان تھا۔ تب انھیں ایک بہت بڑا سرپرائز ملا جب اچانک آسٹریلیا سے جازم کا جگری انگریز دوست سٹیو اس سے ملنے چلا آیا۔ یہ سٹیو کی جانب سے جازم کے لیے اس کا برتھ ڈے سرپرائز

تھا سو انھوں تادیر رات تک ہلا گلا مچائے رکھا۔ لیکن

حویلی پر نہیں۔ وہ لوگ اسے لئے ڈیرے پر چلے آئے

تھے۔ جازم نے اپنے ایک خاص آدمی سے سٹیو کے

لیے خاص مشروب کا بندوست کیا تھا کہ ان کے ہاں

یہ چیزیں بلکل عام تھیں۔ اب بھی صرف وہ دیسی پی

کر نشے میں دھت ہو چکا تھا۔ (باقی ان چاروں نے

بوتل کی طرف دیکھا تک نہیں تھا۔ ایسا نہیں تو وہ یہ کر

نہیں سکتے تھے۔ اونچے خاندان کے سب سے بگڑے

ہوئے باغی لڑکے اس معاملے میں ذرا مذہبی ثابت ہوئے تھے۔تعجب کی بات تھی ناں

ارسلان موسی اور عمر سو چکے تھے جب کہ وہ دونوں اب بھی باتیں کر رہے تھے۔ جب سٹیو نے انگلش میں جازم کو ایک خاص بات کہی۔

یار شراب کا بندوست کیا ہے تو شباب کا بھی کر" دیتے، بہت طلب ہو رہی تھی، لہجہ کافی ذو معنی تھا جبکہ جازم جہانگیر کے چہرے پر وہی سرد و سپاٹ سے تاثرات سجے ہوئے تھے۔

یہاں جو بولو گے وہ ملے گا سوائے اس کے، کسی"

، عورت کا وجود مجھے اپنے آس پاس برداشت ہی نہیں

سو اپنے جذبات کو قابو میں رکھو، جازم نے ٹھنڈے ٹھار

لہجے میں کہا تو وہ کافی بدمزہ ہوا۔

سنو صنف مخالف سے اتنی نفرت کرتے ہو، تمہاری"

کوئی گرل فرینڈ بھی نہیں تو کبھی اس نفرت کے چلتے

، دل نہیں کیا کہ کسی خوبصورت تتلی کو مسل ڈالو

کسی باربی ڈول کو توڑ پھوڑ دو، تمہارے کالج میں ایسی

کوئی تو ہوگی جس سے تمہاری خاص دشمنی ہو، آج اسے

اٹھوا لو یار، میرا بھی بھلا ہو جائے گا، سارے یار مل کر موج مستی کر لے گے، وہ رال ٹپکانے لگا۔

ایک ہی باپ کا ہوں ناں، حلال خون ہے میری" رگوں میں، اسی لیے مجھ سے نہیں ہوتی ایسی حرامزدگی کتے اور گدھ مردار بھنبھوڑتے ہیں، میں انسان ہوں مجھے انسان ہی رہنے دو، اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

کیا مطلب؟ سٹیو چونکا کہ اس کے لہجے میں کچھ تو" تھا جو رگوں میں خون منجمد کر دینے والا تھا۔

تمھاری ماں کے کتنے بوائے فرینڈز ہیں؟"

تین، سٹیو نے اطمینان سے کہا۔"

بس! اسی لیے!! چھوڑو جانے دو، تم یہ ہماری"
مسلمانوں والی باتیں نہیں سمجھو گے، جازم نے اسے
کہتے اسے ٹالا۔ اور سونے کی تیاری پکڑی۔

اگلے دن اتوار تھا۔ اور سوموار کو سٹیو نے بھی کالج
جانے کی رٹ لگا دی۔ سٹیو جیسا اس معاملے میں
چھچھورا، دل پھینک اور بدتمیز تھا وہ اسے کالج لے

جانے کے حق میں تھا ہی نہیں لیکن اس نے جہانگیر شیرداد سے سفارش کروائی تو وہ اسے کالج لے آئے۔ یہاں آکر تو وہ دنیا کا ہر قسم کا نوخیز حسن اپنے آس پاس دیکھ جیسے پاگل ہی ہوگیا۔ کلاسسز کے دوران تو وہ مارے باندھے کلاس میں بیٹھا رہا مگر بریک ہوتے ہی لڑکیوں سے خود ہی ہائے ہیلو کرتا پھرتا رہا۔ کوئی جواب دے دیتی کوئی اگنور کر رہی تھی۔ سب اس سفید نمونے کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

اس بے نتھے بیل کو کوئی تو لگام ڈالو یار، جازم نے" دانت پیستے عمر کو کہا تھا۔ کہاں سال ہو گیا تھا لڑکیاں اس سے بات کرنے کو مری جاتیں کہاں وہ اسی کا دوست خود جا کر لڑکیوں میں گھس رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اس کی رگیں پھولنے لگیں۔ عمر بڑی مشکل سے اسے کلاس میں لایا۔ پھر چھٹی کے وقت وہ پھر سے ان سے رسی تڑوا کر پہلے ہی کلاس سے باہر نکل گیا کیونکہ پہلے لڑکیاں سکول سے نکل رہی تھیں۔

جازم بری طرح جھنجھلاتے ان کے ہمراہ کلاس سے باہر نکلا۔

"سنا ہے اس چڑچڑے سردار کا چپکو دوست باہر سے آیا ہوا ہے، اتنا چپکو ہے کہ لڑکیاں اس سے دور بھاگ رہی ہیں،، ہاہاہا، مہر نے اس کے کان میں گھستے کافی زور دار قہقہہ لگایا تھا کہ حرم بھی ہنس پڑی۔

نمونے کا دوست نمونہ ہی ہوگا ناں، خیر ہمیں کیا دفع" کرو، حرم نے کہا اور چھٹی کے وقت دونوں ایک ساتھ کلاس سے نکلیں۔ اپنی کلاس سے نکل کر گیٹ تک جاتے فرسٹ ائیر کے کمرے کی بیک کی وجہ سے ایک چار پانچ فٹ کی راہداری آتی تھی وہ دونوں وہاں سے گزر رہی تھیں کہ چونک کر رکیں۔ سامنے ہی وہ سیاہ ٹی شرٹ ٹراوزر میں لمبی ٹانگوں والا سفید لڑکا مبہوت سا انھیں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

یوں تو کالج خوبصورتی اور دلکشی سے بھرا پڑا تھا مگر وہ جو اس کے بلکل سامنے کھڑی تھی وہ دنیا سے پرے کسی طلسماتی جگہ کی کوئی چیز تھی۔ سیاہ بیگ کندھے پر لٹکایا ہوا تھا۔ جیسے سفید یونیفارم میں سرخ ربن والے دوپٹے میں بند کلی کی طرح چھپی ہوئی سفید گلابی نیلی آنکھوں والی کانچ کی گڑیا۔ کوئی چھوٹی سی نوخیز اپسرا یا حور۔ جس کا بے مثال حسن بڑے سے سفید دوپٹے میں چھپ سا گیا تھا۔

سفید منہ والا شتر مرغ، مہر اس کے کان میں گھسی۔"

کھی،کھ!! گلے سے نکلنے والا قہقہہ حرم نے بمشکل"

حسب عادت لبوں پر چار انگلیاں جما کر روکا تھا کہ

سامنے والے کو تشبیہ دینے کے لیے اس سے اچھی

چیز کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

ہائے بیوٹیفل، وہ مدہوش اور بے خود سا آگے بڑھا اور"

کمال جرائت کا مظاہرہ کرتے اس کا پھولا سا گلابی

گال چھونے کو ہاتھ آگے بڑھایا۔ لیکن اگلے ہی پل ایک

دھماکے کی آواز اس کے چاروں طبق روشن کر گئی۔

مہر پھرتی سے پیچھے ہٹی اور حرم نے اپنے ہاتھوں میں

پکڑا تین انچ چوڑا رجسٹر اس کے منہ پر ایک دھماکے سے دے مارا تھا۔ وہ ایک چیخ کے ہمراہ پیچھے اوندھے منہ زمین پر گرا۔ وہ چاروں جو راہدری کے کونے پر پہنچ چکے تھے ان کے پیچھے ٹھٹھک کر رکے۔ عمر آگے لپکنے لگا جب جازم نے اسے اشارے سے روک دیا تو عمر کو حیرت کا جھٹکا سا لگا۔

پورا دن دماغ کی ماں بہن کیے رکھی ہے اب ذرا پتہ" لگنے دو یہاں بدتمیزی کا انجام کیا ہوتا ہے"

جازم نے کہا تو ان تینوں کو غش پڑنے والا ہو گیا۔

ہاؤ ڈئیر یو، یو بچ، سارا نشہ ہرن ہو گیا اپنی بے عزتی پر" وہ چلایا اور اٹھ بیٹھا۔ دانتوں سے خون رسنے لگا۔ کافی لڑکیاں بھی کھڑے ہو کر تماشہ دیکھ رہی تھیں۔

منہ کے ساتھ ساتھ اس شتر مرغ کی تو زبان بھی" گندی ہے، کہتے مہر نے ایک مرتبہ پھر اپنا رجسٹر اس کے سر پر مار کر اسے نانی یاد دلائی تھی۔ لڑکیاں اب ہنس پڑیں۔

جیز، جازم کو دیکھ کر وہ چلایا تو حرم اور مہر کی بہادری" پل میں ہوا ہوئی تھی۔ اب رجسٹر پکڑے حرم کے ہاتھ

کپکپا گئے تھے۔ باقی لڑکیاں بھی ڈر کے مارے تتر بتر ہو گئیں۔

"ہے یو، ہاؤ ڈئیر یو، میرے دوست پر ہاتھ اٹھانے کی جرات بھی کیسے کی، (اس سے الجھنے کا کافی عرصے بعد موقع ملا تھا تو کیوں جانے دیتا سو) وہ دھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔ سٹیو کو سہارا دے کر اٹھایا۔ اور زخمی سانپ بنا ان کی جانب مڑا۔ حرم نے بے بسی سے مہر کی جانب دیکھا۔

یہ بدتمیزی کر رہے تھے، مہر نے ڈرتے ہوئے جواب"

دیا تھا۔

میں نے تم سے پوچھا ہے؟ جس نے اسے مارا ہے"

وہ جواب دے، وہ چلایا تھا۔ (آخر یہ سمجھتی کیا ہے خود

کو، اتنی جرات کس میں ہے میری باز پرس کا جواب نا

دے؟) ابھی وہ اس سے مخاطب تھا جب سٹیو انگلش

میں چلایا تھا۔

یہ جھوٹ بول رہی ہے جازم، یہ خود مجھے اشارے کر"

رہی تھی، مجھے یہاں اسی نے،،

"شٹ اپ سٹیو جسٹ شٹ اپ، وہ یوں دھاڑا تھا کہ کالج کے درودیوار تک ہل گئے تھے۔ سٹیو نے بے یقینی سے جازم جہانگیر کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھا۔

ادھر حرم اور مہر دل میں آیت الکرسی کا ورد کرتیں اب وہاں کسی خوف کے زیرِ اثر خاموش کھڑی تھیں۔اس کی حیوانوں جیسی دھاڑ پر یوں بھی دل کسی چڑیا کے بچے کی طرح سہم گیا تھا۔ جب عمر آگے بڑھا۔

"آپ لوگ جاؤ یہاں سے، عمر نے حرم کی جانب دیکھتے کہا۔

عمر،؟ وہ چلایا تھا۔"

میں نے کہا ہے کہ جاؤ تو سنا نہیں، عمر کی سخت آواز پر وہ سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگیں تھیں۔

عمر کیوں کیا،؟ اب وہ عمر کی جانب گھوما تھا۔"

"براوو یار، میرے کچھ سوالوں کے جواب تو دو، اتنی ہی دوست کی تکلیف تھی تو وہاں کھڑے ہو کر مزے سے اس کی ٹھکائی کیوں دیکھ رہے تھے؟ جب وہ لڑکیاں بدتمیزی کرتی تھیں تو تمھیں مسئلہ تھی، اب

بیچاری میں تمھارے آگے بولنے کی ہمت نہیں تو تمھیں تکلیف ہے، آخر چاہتے کیا ہو، ؟ عمر نے ٹھیک ٹھاک اس کا دماغ ٹھکانے لگایا تھا۔ وہ جبڑے بھینچ کر رہ گیا۔

"وہ یہ کیا کہہ رہا ہے، سٹیو الجھا تھا۔ کیونکہ عمر نے وہ سب باتیں اردو میں کہیں تو جو اس کے اکثر پلے نہیں پڑتی تھی۔

"کچھ نہیں چلو یہاں سے، جازم نے غضبناک لہجے میں کہا اور کالج سے باہر نکل گیا۔

"مجھے وہ چاہیے ،، سٹیو نے آگ اگلتے لہجے میں اسے کہا

تھا۔ وہ لوگ اسے پہلے کلینک لے کر گئے تھے۔ سر پر

پٹی کروا کر ڈائریکٹ ڈیرے پر آئے۔ جازم کسی ضروری

کام سے باہر گیا تھا۔ اب عصر کے بعد آیا تو وہ پھر

ہاتھوں میں حرام مشروب لیے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

کون، وہ چونکا۔"

جس نے پورے سکول کے سامنے تمہارے بیسٹ" فرینڈ کی بے عزتی کی وہ،، تم نہیں جانتے وہ سٹیو وارنر کی بے عزتی نہیں وہ جازم جہانگیر شیرداد کی بے عزتی تھی، اسے اٹھوا لو، میں ان سے اپنی بے عزتی کا بدلا لینا چاہتا ہوں،، اس کے لہجے میں اژدھوں سی پھنکار تھی--

جبکہ اس بات پر جازم جہانگیر شیرداد کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوا تھا۔

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کر رہا، جازم نے سرد و سپاٹ لہجے میں اسے انگلش میں جواب دیا تھا۔ جانے کیوں اس گھٹیا نیچ بات پر جسم و جاں میں بھانبھڑ سے جل اٹھے تھے۔

"تو ٹھیک ہے تم مت کرو، تمھارا نام نہیں آئے گا، لیکن اپنے آدمیوں کو کہو جیسا میں کہتا ہوں وہ کریں، بس اسے اٹھا لائیں، یوں بھی کچی ننھی کلی پر دل آگیا ہے، جسے مسلنے کا شدت سے دل کر رہا ہے، سٹیو

کے اندر کا درندہ جاگ چکا تھا۔ جازم کی رگیں تن گئیں۔

"شٹ اپ سٹیو، میرے سامنے ایسی گھٹیا اور تھرڈ کلاس زبان استعمال مت کرو، میں اپنے آدمیوں سے بھی ایسا کچھ نہیں کہنے والا، جازم کا سپاٹ لہجہ کافی ہموار تھا۔ سٹیو غم و غصّے سے جیسے پھن کچلے سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔

"تو تمھیں میری اور میری عزت کی کوئی پرواہ نہیں، سٹیو نے دانت پیس کر کہا تھا۔

بدتمیزی تم نے کی تھی سٹیو، اور یہاں معمولی بات پر قتل ہو جاتے ہیں اس نے تو پھر تمھیں رجسٹر مارا تھا،، جازم نے اطمینان سے کہتے صوفے پر بیٹھتے ٹانگ پر ٹانگ رکھی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ یہاں کیا ہوتا ہے کیا نہیں، میری بے عزتی ہوئی ہے اور اس اسکا بدلا تم لو گے میرے لیے،

ایسا کچھ بھی نہیں ہوگا، جازم اب غضبناک ہوا تھا اس کی ایک ہی بیہودہ رٹ سن کر کان پک گئے تھے۔

تمھیں میری بے عزتی ہونے سے کوئی فرق نہیں

پڑتا،؟

پڑتا ہے، مگر میں نے اسے جواب میں کافی سنا دی"

ہیں، وہ تم سے مانگی بھی مانگ لے گی، یہ میرا تم سے

وعدہ ہے، مگر وہ نہیں ہوگا جو تم کہہ رہے ہو،

آخر کیوں،؟ کیا لگتی ہے وہ تمھاری جو تمھیں اتنی"

تکلیف ہو رہی ہے،

"شٹ اپ سٹیو، اپنی حد میں رہ کر بات کرو اوقات

میں رہو، وہ بھڑکا تھا۔ تب سٹیو دھیما پڑ گیا۔

"تم اپنے دوست کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے،

"نہیں، یہ میری تربیت نہیں کہ ایسی نیچ حرکت کروں،

"ٹھیک ہے میں واپس آسٹریلیا جا رہا ہوں، سٹیو نے

آخری پتہ کھیلا تھا۔

"شوق سے جاؤ، میں نے نہیں بلایا تھا تمھیں، نا ہی

اب لگتا ہے تم میرے لئے آئے تھے تم بس اپنے

لیے کوئی نیا شکار ڈھونڈنے آئے تھے، لیکن بتاتا چلوں یہ تمھارا آسٹریلیا نہیں ہے پاکستان ہے، یہاں عزتوں کی حفاظت کو سر کاٹ دیئے جاتے ہیں، اپنے اندر ہونے والی غضب کی توڑ پھوڑ کے برعکس وہ لہجے میں نا محسوس سی تلخی سمیٹے بولا تھا۔

"میں انکل کو کہوں گا جازم نے مجھے جانے کو بولا، سٹیو کا صدمہ کسی صورت کم نہیں ہو رہا تھا۔

"وجہ بھی بتا دینا، یقین کرو تمھیں پہلی فرصت میں گولی ماری دیں گے، اسنے لاپروائی سے کہا تھا۔

پھر سٹیو رکا نہیں اس سے ناراض ہو کر پاکستان سے چلا گیا لیکن اسے اس بات کی رتی برابر بھی پرواہ نہیں تھی۔

سنو کیمسٹری کے ٹیسٹ کی تیاری ہے،؟ مہر نے" روہانسی ہو کر پوچھا تو حرم اس کی جانب دیکھ کر رہ گئی۔ دونوں سکول کی جانب رواں دواں تھیں۔

"بس تھوڑی تھوڑی ہے، بخار تھا کل اچھے سے

تیاری نہیں کر پائی،

"میری تو بلکل تیاری نہیں، مہر کو صدمہ لاحق ہوا۔

"کوئی بات نہیں، جب میڈم یاسمین بریانی کے سہانے

سپنے دیکھ رہی ہوں گی تو تب ہم اپنے مصالحوں کی

تھوڑی ادلہ بدلی کر لیں گے، حرم نے معنی خیزی سے

کہا تو مہر تھوڑی مطمئن ہو گی۔ سکول آ کر پتہ چلا کہ

میڈم یاسمین آج چھٹی پر ہیں تو دونوں نے واش روم

کے سامنے جا کر خوشی سے جھومتے ڈانس تک کیا تھا۔

لیکن پھر ایک انھونی ہو گئی۔ کلاس میں پہنچتے بریک

سے پہلے کچھ ایسا ہوا کہ دونوں کو غشی کے دورے

پڑنے کو تھے۔ جب انھیں پتہ چلا کہ آج بریک کے بعد

جو کیمسٹری کا پیریڈ ہوگا اس میں آنکھوں کے سامنے

اندھیرا چھا جائے گا۔ کیمسٹری کے فارمولوں کے

چھوٹے چھوٹے دھماکے کانوں میں گونجنے لگے جب

پرنسپل کے ہمراہ وہ بڑے یونیفارم میں کف کہنیوں

تک فولڈ کیے ہاتھ پینٹ کی پاکٹوں میں ڈالے کروفر

سے کلاس میں داخل ہوا۔ پوری کلاس پرنسپل کو آتا

دیکھ اپنی سیٹ پر کھڑی ہوگئ۔

بچوں!! مس یاسمین نے فون پر کہا ٹیسٹ بہت"

ضروری ہے، اسی لیے آج بریک کے بعد آپ لوگوں کا

یہ ٹیسٹ اور باقی کی کلاس جازم جہانگیر شیرداد لیں

گے"

الفاظ نہیں پگھلا ہوا سیسہ تھا جو ان کے کان میں انڈیلا

گیا تھا۔ وہ یہ خوش خبری سنا کر کلاس سے جا چکے

تھے جبکہ وہ پوری کلاس سے لاتعلق سا بنا اب ٹیچر چیئر

پر بڑی شان سے براجمان اپنے کورس کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ وہ پتھریلے نقوش کا حامل شخص اتنی چھوٹی عمر میں خود میں ایسی ناقابلِ تسخیر کشش رکھتا تھا کہ کلاس کو خود بخود سانپ سونگھ گیا تھا۔

گلو خلاصی تو تب ہوئی جب بریک کی بیل بجی۔ وہ کیمسٹری کے نوٹس اٹھا کر سر پر پاؤں رکھ کر کلاس سے باہر بھاگی تھیں جبکہ اس نے کن اکھیوں سے انھیں یوں سرپٹ بھاگتے دیکھا تھا۔

اررے یہ 'عذاب' کس طرف سے نازل ہوا یہ تو"

سلیبس میں نہیں تھا، حرم نے روہانسی ہو کر مہر کو

کہا تھا۔ پھر سب نے بریک انجوائے کی مگر انھوں نے

ایک جگہ بیٹھ کر اتنے شور میں ٹیسٹ کا رٹہ مارنے کی

کوشش کی۔ بیل کی آواز کوئی بلائے ناگہانی تھی جیسے۔

جازم جہانگیر شیرداد چہرے پر دنیا جہان کی بیزارگی طاری

کیے کلاس میں بیٹھا تھا۔ بیل بجنے کے ایک منٹ کے

اندر پوری کلاس اندر آچکی تھی۔ لیکن دو سیٹیں خالی

تھیں۔ اس نے اپنی سفید کلائی گھما کر اپنی قیمتی ترین

گھڑی میں وقت دیکھا۔ تبھی وہ دونوں سر جھکائے کلاس میں آ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں تھیں۔ ان کے ہوائیاں اڑے چہرے اس کی زیرک نگاہوں سے چھپے نہیں رہ پائے تھے۔ تبھی اس نے وائٹ بورڈ مارکر اٹھا کر بورڈ پر ٹیسٹ کے لیے سوالات لکھ دیئے۔ وہ لکھائی نہیں جیسے سیاہ موتی سفید دھاگے میں پروئے ہوئے تھے۔ کلاس کی سبھی لڑکیاں بڑی متاثر نظر آ رہی تھیں۔ لیکن کم بخت ٹھنڈی آہیں بھی تو نہیں بھرنے دیتا تھا۔

اپنے اپنے ٹیسٹ پر ہیڈ ڈاؤن کر لیں، کوئی چیٹنگ" کرتے نظر آیا، ٹیسٹ پھاڑ کر اٹھا کر باہر پھینک دوں گا، سرد و سپاٹ بھاری آواز نے سب کی رگوں میں سرسراہٹ سی بھر دی تھی۔ سب نے بڑی شرافت سے اپنے اپنے ٹیسٹ پر ہیڈ ڈاؤن کر لیا۔

کہاں جا کر مروں، مہر کی بے بسی میں ڈوبی سرگوشی" سنائی دی۔ حرم نے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر مہر اس کی جانب بار بار جھکتی رہی جب ایک صور اسرافیل سی آواز پاس سے کان

میں گونجی۔ حرم دیکھ کر دھک سے رہ گئی وہ اس کی

چیئر سے دو قدم دور کھڑا اسی سے مخاطب تھا۔

واٹس پرابلم ود یو، اس کا لہجہ ایسا تھا کہ حرم کے"

کان سنسنا اٹھے۔ کچھ واحد مجسم سمیت پوری کلاس

اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

سٹینڈ اپ، میں نے کچھ پوچھا ہے؟ واٹس پرابلم ود یو"

جواب دو، وہ غرایا تھا۔

کوئی مسئلہ نہیں ہے بھیا، وہ کھڑے ہوتے سفید"
یونیفارم میں سرخ پڑتی دھیرے سے منمنائی تھی لیکن
جازم جہانگیر شیرداد کو تو گویا پتنگے ہی لگ گئے۔

میں تمھارا بھائی نہیں ہوں، آئندہ مجھ سے کسی قسم کا"
کوئی رشتہ گانٹھنے کی کوشش مت کرنا، اس نے
بھڑکتے اسے اچھی خاصی سنائی تو سبکی کے احساس
سے حرم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"تو اور کیا کہوں آپ کو، خود ہی بتا دیں، وہ تلخی سے گویا ہوئی تھی یہ شخص اس کا حد سے زیادہ صبر آزما چکا تھا اب بس ہو چکی تھی اس کی بھی۔

ادھر اس کا پھر سے باغی سا لہجہ سن جازم جہانگیر پھر سلگ اٹھا۔

"کیوں؟ کچھ کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے، مجھ سے مخاطب ہی کیوں ہونا، کون سی مجبوری ہے،؟ کافی چبھتا ہوا ہتک آمیز سا لہجہ حرم کو سر تا پیر سلگا گیا۔

"میں بھی آپ جیسوں سے مخاطب نہیں ہونا چاہتی،
آپ نے خود مجھے،

"شٹ اپ، واٹ ڈو یو مین بائی مجھ جیسے، اس کی دھاڑ پرے کمرے میں گونجی تھی۔ لیکن اب کی بار اس کی اونچی آواز سے وہ خائف نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اگلے ہی لمحے حرم کی آنکھیں پھٹ پڑیں۔ جب اس نے ٹیسٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیئے۔

"یہ کیا، کیا کر رہے ہیں آپ، وہ بھی چلا اٹھی تھی۔"

گیٹ لاسٹ فرام مائی کلاس، انگلی سے اشارہ کرتے"
اس نے حرم کو باہر کا راستہ دکھایا تھا۔ تب واحد مجسم
اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔

ایکسیوزمی، حرم نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے جو آپ"
یوں اس کی انسلٹ،

تم کون ہوتے ہو مجھے سمجھانے والے کہ کس نے"
کیا کیا، اوقات میں رہو، سڑک چھاپ لوفروں والی
حرکتیں کرنے کی بجائے پڑھائی میں دھیان دو تو

تمھارے لیے زیادہ بہتر ہوگا،، اس نے واحد کا منہ بھی

جھاڑ ڈالا۔

آنکھوں میں در آنے والی نمی پلکوں کی باڑ توڑ کر باہر

آنے کو بے تاب ہوئی حرم نے اپنی چیزیں تک نا

اٹھائیں اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

وہ کچھ نہیں کر رہی تھی، میں اس سے آنسر پوچھ"

رہی تھی، مہر نے کھڑے ہو کر بغیر خوفزدہ ہوئے کہا۔

اس نے اس کا ٹیسٹ بھی پل میں ٹکڑے ٹکڑے کیا

تھا۔

تو تم یہاں کھڑی میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو، دفع ہو جاؤ'' یہاں سے، وہ بنا بات کے پھر بھڑکا تھا۔ مہر بھی اپنی تمام چیزیں اٹھا کر کلاس سے باہر چلی گئی۔ پھر وہ چھٹی تک یونہی بلا وجہ آگ اگلتا رہا۔ چھٹی ہوئی تو آج ان کی گلو خلاصی ہوئی تھی۔

چھٹی کی بیل بجی تو وہ کلاس سے باہر نکلا۔ تبھی ایک لڑکے نے اسے آکر پیغام دیا کہ اسے پرنسپل سر اپنے آفس میں بلا رہے ہیں۔ وہ حیران ہوتا پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوا مگر اندر آتے سامنے کا منظر دیکھ

اس کے ماتھے پر بے شمار بل پڑ گئے۔ وہ سرخ آنکھیں لیے پرنسپل کے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔

جازم جہانگیر بیٹا حرام بیٹی نے کہا کہ آپ نے اس" سے بدتمیزی کی اور اس کا ٹیسٹ پھاڑ دیا، ایسے نہیں کی کرتے بیٹا آپ، پرنسپل سر ممنماتی آواز میں جانے کیا کیا کہہ رہے تھے مگر اس گھمنڈی انا پرست کی سوئی تو صرف ایک لفظ 'بدتمیزی' میں اٹکی رہ گئی۔ اس کے اندر جوار بھاٹے اٹھنے لگے۔

"یہ ٹیسٹ میں چیٹنگ کر رہی تھی میں نے اسی لیے اسے سزا دی۔" وہ تقریباً شیر کی مانند غرایا تھا۔

"بیٹا حرم ایک برائٹ سٹوڈنٹ ہے ضرور آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، آپ حرم سے اس کا ٹیسٹ پھاڑنے پر معافی مانگ لیں ہم اس بات کو یہیں درگزر کر دیں گے، پرنسپل سر نے بھی آج دو ٹوک لہجہ اختیار کیا تھا تبھی وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔ بات اس کے باپ تک پہنچتی تو ان کی قوالیاں کون سنتا۔

آئندہ نہیں کروں گا۔" وہ کہہ کر رکا نہیں پرنسپل" آفس سے باہر نکل گیا تھا۔ پرنسپل دیر تک حرم کو سمجھاتے رہے۔

وہ آج سب کچھ تہس نہس کر دینے کا ارادہ کیے پرنسپل آفس سے باہر آیا تھا جہاں عمر ارسلان اور موسی اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ اس نے آ کر ان سے کچھ ایسا کہا کہ سات آسمان انھیں اپنے سر پر گرتے محسوس ہوئے۔ انھوں نے لاکھ اپنا سر پٹخا مگر وہ کچھ بھی سننے سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔

وہ حرم کو لینے پرنسپل کے آفس جا رہی تھی جب عمر اس کے سامنے آیا۔

"کہاں جا رہی ہو۔"

"حرم کو بلانے۔"

لیکن وہ تو جا چکی ہے، پرنسپل کے آفس کو لاک لگ چکا ہے، مجھے دوسرے گیٹ سے جاتی دکھائی دی تھی۔" عمر نے اطمینان سے کہا جب کہ وہ گھبرائی

سی دوسرے گیٹ کی جانب بھاگی تھی۔ یقیناً پرنسپل سر جازم جہانگیر شیرداد کو کچھ کہنے کی بجائے حرم کی کلاس ہی لے ڈالی تھی تبھی وہ روتی بسورتی دوسرے گیٹ سے نکل چکی ہوگی۔ مہرو تیزی سے دوسرے گیٹ میں غائب ہو گئی تو انھوں نے یہ تسلی کی تھی کہ پورا سکول بلکل خالی ہو چکا ہے۔

وہ اپنا بیگ اور چیزیں لینے اپنی کلاس کی جانب آئی تو پورا اسکول بھائیں بھائیں کر رہا تھا ایک مرتبہ تو اسے

خوف سا محسوس ہوا۔ مگر سر جھٹک کر کلاس میں آئی۔

اپنے پیچھے ایک پراسرار سی آہٹ پاتے حرم اچھل کر پیچھے مڑی تب اسے یوں لگا موت کا فرشتہ اس کے سامنے کھڑا ہو وہ خونخوار نگاہیں اور لال بھبھوکا چہرے لیے یوں اس کی جانب بڑھا کہ حرم کو لگا ایک خون چھلکاتا بھیڑیا اس کی جانب لپک رہا ہے۔

ک،کک، کیا بات ہے آپ اس طرح، آیہہہہ،،، حرم" کے منہ سے دلخراش چیخ برآمد ہوئی جب جازم نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنی پوری طاقت سے زمین پر پٹخا۔ وہ

اوندھے منہ زمین پر گری اور کراہ اٹھی۔ اپنے پیروں کے قریب اس حیوان کے پیر محسوس کر کے وہ اپنا درد تکلیف بھلائے تیزی سے سیدھی ہوئی اور رینگتی ہوئی پیچھے کی جانب کھسکنے لگی۔

وہ اپنے شکار کے ڈر کے ساتھ کھیل رہا تھا جیسے تبھی اس کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھانے لگا۔

کک،کیا تکلیف ہے آپ کو، کیوں کر رہے ہیں آپ" میرے ساتھ یہ، میں نے کیا کیا ہے،۔ ج،جانے دیں مجھے؟ وہ کہتی پھوٹ کر رو دی۔ سفید یونیفارم

اور ہاتھ اور بازو مٹی میں بھر چکے تھے۔ وہ پیچھے دیوار سے لگی تو مزید سسک پڑی۔ اب پیچھے مزید تو کھسک نہیں سکتی تھی اسی لیے اپنی ٹانگیں فولڈ کر کے اپنے گھٹنوں کو لگا لیں۔

'تمھیں یہ بتا اور دکھا رہا ہوں کہ اصل میں ' بدتمیزی" کہتے کسے ہیں۔" وہ ایک گھٹنہ فولڈ کیے زمین پر بیٹھا۔ حرم خوف و دہشت کی شدت سے لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی کہ مقابل شخص کی آنکھوں میں اتنی وحشت اور درندگی تھی کہ اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی۔ اس

سے اگلا لمحہ حرم سے اس کی جان نکال کر لے گیا

جب جازم نے اپنے بھاری کھردرا اور چٹانی ہاتھ سے

اس کا نرم و ملائم پہلو جکڑا۔

یہ ہوتی ہے ' بدتمیزی'!! اور کر کے دکھاؤں؟ وہ"

پھنکار تھا۔ لیکن پھر تھم گیا۔

وہ خود پارس کو چھو بیٹھا تھا یا وقت نے اسے اپنی قید

میں جکڑ لیا تھا۔ اسے پتہ نا چلا۔ کیا کبھی نے وقت کو

رکتے دیکھا آج جازم جہانگیر شیرداد نے اپنے وقت کے

ساتھ اپنے دل کو رکتے محسوس کیا تھا۔ وقت کی لگام

کس گئی اور ایک ان دیکھی طاقت اس کے دل و جاں کا تختہ الٹ گئی۔

ادھر حرم کو لگا اس کے بدن سے زہریلے بچھو لپٹ گئے ہیں۔ خوف کی شدت سے سانس بند ہونے لگا اور حلق میں ایک پھندا سا اٹکنے لگا۔ اس کا گندا لمس حرم کی روح تک زخمی کر گیا تب جانے کہاں سے آئی حرم میں اتنی طاقت کے اس نے اپنی پوری طاقت لگا کر اسے خود سے دور دھکیلا اور اٹھ کر ایک لمحے میں وہ

کلاس کا دروازا بھاگتے پار کر گئی۔ (یا اسے پار کر لینے

دیا گیا)

وہ جا چکی تھی۔

مگر جازم جہانگیر شیرداد وہیں بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا۔ ایک

بہت عجیب و غریب واردات ہو گئی تھی اس کے

ساتھ۔ اس نے حیرانی سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

اتنے میں ہی عمر، ارسلان اور موسی اندر آئے تھے۔

وہ جا چکی ہے جازم، اسے اتنا ہی ڈرانا تھا کہ وہ سہہ" پاتی، کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ؟ کہ وہ پاگلوں کی طرح روتے ہوئے یہاں سے نکلی

عمر جانے کیا کیا بول رہا تھا لیکن اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔

وہ کافی دیر سے حسب معمول سوئمنگ پول کے کنارے پول چیئر پر نیم دراز نیلے آسمان کو دیکھے جا رہا تھا۔ لبوں میں سگریٹ دبائے وہ گہری سوچ میں تھا۔

جازم نے اپنا ہاتھ اپنے آگے کیا جہاں جیسے ابھی تک ایک لمس کی نرماہٹ اور گرماہٹ ابھی بھی موجود تھی۔ ایک پراسرار گھمبیر گہرے راز جیسا احساس تھا جو دل وجان میں سر اٹھاتا اسے بے قرار کر رہا تھا اور ہمیشہ کی طرح آج وہ اس احساس کو خود سے جھٹک نہیں پا رہا تھا۔ ہاں!! اس احساس نے ابھی اسے اپنی

لپیٹ میں نہیں لیا تھا یہ تو اول روز سے اس کے
قدموں سے کسی سنگلاخ مضبوط اور چٹانی زنجیر کی طرح
لپٹا جا رہا تھا۔ جسے وہ جھٹک دیتا تھا۔ لیکن آج وہ
احساس اس کی روح کو اپنے شکنجے میں جکڑ چکا تھا۔ یہ
اس کے دل کی کہانی تھی جب پہلے روز ہی ایک
انتہائی نازک سی جان نے جس کا نام حرم معراج تھا
جازم جہانگیر شیرداد کی توجہ پوری شدّت سے اپنی جانب
کھینچی تھی۔ لیکن وہ اتنی ہی شدت سے انکاری ہوا۔

اگلے روز ہی وہ اس سے الجھ پڑی۔ اور جازم مزید اس

کی جانب کھینچا مگر اسے یوں لگا جیسے اس کی انا پر کسی

نے پیر رکھ کر اسے کچلا ہے کیونکہ وہ جھک جائے یہ

جازم جہانگیر نے کہاں سیکھا تھا۔ تبھی وہ جھٹپٹایا۔ اس

نے آج سے تو نہیں بھائی کی میت پر خود سے وعدہ

کیا تھا جس دن وہ یہ اقرار اپنے دل سے کرے گا کہ

وہ کسی سے محبت کرتا ہے اسی دن مر جائے گا۔

پھر اگلے کچھ دنوں میں ہی وہ پھر سے اس کے مقابل

تھی۔ اسے کھری سناتی ہوئی اس کی ماں کی

تربیت پہ بھی بات کر گئی۔ اور جازم جو پہلے ہی بلبلاتی

انا پر ٹھیس کھائے پھر رہا تھا اگلا پچھلا سارا غصہ اور کدورت اس ناک جان کا گلا دبا کر نکال دی۔ لیکن پھندا تو جازم کے گلے میں بھی آیا تھا۔ اس کے آنسو دیکھ دم تو اس کا بھی گھٹا تھا تبھی وہ ایک مرتبہ پھر اپنی اتنی عجیب کیفیت پر بل کھا کر رہ گیا۔ تب اسی کے کہنے پر اس کے دوستوں نے اسے خوب ڈرایا دھمکایا اور ایک مرتبہ پھر اس کے آنسو اسے اپنے سینے میں گر کر زخم کرتے محسوس ہوئے۔

پھر آخر آگلے دن اس کے جذبات و احساسات پر

آسمانی بجلی گر گئی۔ وہ ہال میں اپنے دوستوں کے

ساتھ لیکچر اٹینڈ کرنے بیٹھا تھا۔ اور پیچھے بیٹھے دو لڑکے

اسی کے بارے میں انتہائی گھٹیا اور نیچ قسم کی گفتگو کر

رہے تھے۔ کسی کو نہیں معلوم تھا وہاں بیٹھا ایک

گھمنڈی شخص رقابت کی آگ میں جل کر خاک ہو رہا

ہے۔ اس کے سینے میں بھانبھڑ جلے رہے ہیں۔ اس

دن اُس سینے کی جلن نے اسے چین نہیں لینے دیا

تھا وہ اس دن آگ کے ڈھیر پر بیٹھی گیا۔ پرسنل کے

آفس میں وہ خاموش تھی اس سے ڈر چکی تھی مگر وہ چاہتا تھا کہ وہ پھر سے اس کے سامنے شیرنی بن کر غرائے۔ مگر وہ خاموش ہو گئی۔ اس دن جازم جہانگیر نے اپنا تمام غصہ پرنسپل پر نکالا۔

وقت سبک رفتاری سے گزرتا رہا۔ وہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی بات نوٹ کرتا تھا وہ اسے دور سے دیکھا کرتا تھا مگر یہ بات مر کر بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اس کے سامنے بہت کم کم آتی تھی۔ وہ جہاں جاتا وہاں سے وہ اپنی دوست کو لیے ہٹ جاتی۔ وہ اگر اسے

جازم کے راستے میں ملتی تو وہ اپنا رستہ ہی بدلا لیتی تھی۔۔

اور پھر سٹیو چلا آیا۔ اس دن سٹیو بھی سکول میں اسے دیکھ کر پگلا گیا تھا کہ وہ حسن کی نوخیز مورت تھی ہی اتنی حسین۔ جازم کا دل کیا کہ سٹیو کو پیٹرول ڈال کر آگ لگا دے۔ وہ منظر اس دن جازم کی آنکھوں میں سوئیاں سی چبھو گیا جب وہ ہاتھ آگے بڑھا اس کا گلابی گال چھونا چاہتا تھا۔ پھر اناً فاناً اس نے ایک دھماکے سے سٹیو کے سر میں رجسٹر دے مارا تھا جس

کی آواز جازم جہانگیر شیرداد کے کلیجے میں ٹھنڈ ڈال گئی تھی۔ عجیب تھا کہ وہ جو اس کا بہت گہرا دوست تھا جازم کا دل کیا اس کے ہاتھ سے اس کی مزید دھلائی ہو۔ اسی لیے تو اس نے عمر کو منع کر دیا تھا آگے بڑھنے کو۔ وہ آگے بڑھا تو وہ جو سٹیو کے سامنے شیرنی بنی ہوئی تھی اس کے سامنے آتے ہی ہرنی کی طرح خوفزدہ ہوئی تھی۔ یہ بات بھی کم بخت دل کو کہاں گوارا تھی۔ اس دن وہ اس سے بات کرنے کے ڈھنگ ڈھونڈتا رہا مگر وہ اس سے ہمکلام نا ہوئی اس بات

نے جازم جہانگیر کو بے تحاشا تڑپایا تھا تبھی وہ آگ اگلتا رہا۔

سٹیو نے حویلی آکر اس سے جو باتیں کیں وہ مزید اس کا دماغ گھما گئیں۔ جازم جہانگیر شیرداد کے دل و جاں کو اس دن آگ لگی ہوئی تھی۔ اتنا غضب ناک ہوا کہ سٹیو کو یہاں سے چلتا کیا تھا۔

اور آج، کیا اسے یہ تکلیف تھی کہ سال بھر سے وہ اس سے لڑائی میں ہی سہی مخاطب تک نا ہوئی تھی۔ اسی لیے وہ جانتا تھا اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ پھر

بھی حرم کی دوست کی غلطی پر اس کے سر پر جا پہنچا۔ وہ اسے بات کرنے کو اکسا رہا تھا مگر پھر غضب ہو گیا۔ حرم نے اسے بھیا بول دیا۔ اس کا دل جیسے کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہوا تھا۔ دماغ کی شریانیں پلاسٹک کی طرح کھنچنے لگیں۔ تب وہ اسے غیض و غضب کی شدت سے جانے کیا کیا بول بیٹھا اور اس کا ٹیسٹ بھی پھاڑ ڈالا۔ اور پھر وہ واقعہ۔ جب وہ اس کانچ کی گڑیا کو چھوتے پل بھر کے لیے کسی اور ہی دنیا میں چلا گیا تھا۔ محبت نے رقص کیا چھنکار زمین و آسماں

تلک سنائی دی۔ اب تو جو جسم و روح کی صورت حال تھی دل کے ساتھ دماغ نے بھی چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دی تھی وہ کانچ کا صنم اب محبت کی دیوی بن گئی ہے۔وہ دیوی جسے اس کی محبت نے سجدے کرنے تھے۔ اس دشمن جاں کا عشق اس کی فطرت اور سرشت میں شامل ہو چکا ہے۔ آتش عشق تھی جو بھڑک کر روم روم سلگانے لگی تھی اسی لیے دل و جاں سے دھواں سا اٹھ رہا تھا۔۔ وہ کئی گھنٹوں سے وہاں بیٹھا بس پنے ہاتھ کو دیکھے جا رہا تھا۔

اسی لیے اس کی تشویش میں مبتلا عمر، ارسلان اور موسی اب اندر سے نکل کر اس تک آلئے تھے اور اس کے پاس بیٹھے۔ ان تینوں نے اسے غور سے دیکھا۔ اور یہ بات سچ تھی کہ آج جیسے وہ عجیب و غریب برتاؤ کر رہا تھا اس کی ایسی حالت آج سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔

آخر ہوا ہے کیا ہے تمھیں؟ کیوں سگریٹ پر سگریٹ" پھونک رہے ہو؟ کیوں اتنے گم صُم ہو؟ کیا سوچ رہے

ہو؟ کیا ہوا ہے؟ آخر عمر نے ہی اس کی بوجھل سرخ آنکھوں میں جھانکا تھا۔

اس صدی کا سب سے بڑا عجوبہ ہو گیا ہے میرے "دوست تمہارے دوست جازم جہانگیر شیرداد کو محبت ہو گئی ہے۔" آخر کار اس نے خود سے جنگ لڑتے لڑتے تھک ہار کر شکستہ مدھم مگر مضبوط لہجے میں اقرار کرتے ان تینوں کو چار سو چالیس وولٹ کا جھٹکا لگایا تھا۔ اس نے یہ اقرار کیا تھا وہ مرا نہیں تھا لیکن اگر نا کرتا تو آج شاید اسے کچھ ہو جاتا۔

وہ منہ کھولے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اگر سورج مشرق کی بجائے مغرب سے نکل آتا۔ آگ اور پانی ایک ہو جاتے تو بھی انھیں حیرت کا اتنا بڑا دھچکا نا لگتا جتنا اب لگا تھا۔ یہ بات سن کر ان کے تو ہوش ہی اڑ گئے زبانیں گنگ ہو گئیں۔

کچھ بھونکو بھی یا یونہی منہ کھولے کتوں کی طرح" گھورتے رہو گے۔" وہ تو پہلے ہی جل رہا تھا اسی لیے چڑ کر بولا تھا۔ آخر عمر کو ہی ہوش آیا تھا۔

تم اپنے پورے ہوش و حواس میں یہ اقرار کر رہے ہو" نا جازم جہانگیر شیرداد یا کچھ پی پلا لیا ہے۔" عمر نے ہی آخر ہلکے پھلکے لہجے میں کہتے اسے مزید آگ لگا دی تھی تب اس نے اپنی وحشت بھری نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو عمر کو جھرجھری سی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں سچائی کی دل ہلا دینے والی عجیب پراسرار سی چمک تھی۔

لیٹ میں گیس کہ وہ لڑکی کون ہے؟" موسی نے" پرجوش ہوتے دلچسپی سے کہا تو جازم نے ایک اور

سگریٹ سلگا کر لبوں میں دباتے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔ جیسے کہنا چاہتا ہو بھلا بتاؤ۔

وہ لڑکی حرم معراج ہے۔" موسی نے کہا تو جازم نے بغیر چونکے اپنی نگاہ پھیر لی۔ ہاں مگر ایک سنساتی شیر جیسی غراہٹ موسی کو ضرور سنائی دی تھی۔

"تمیز سے نام لو موسی، بلکہ نام لو ہی نہیں، مجھے اچھا نہیں لگتا کوئی بھی اس کا نام لے۔" لہجہ ایسا کاٹ دار تھا کہ عمر کو غش پر غش پڑ رہا تھا۔

وقتی اٹریکشن ہوگی۔" سب سے بے یقین عمر تھا۔"

اگر وقتی اٹریکشن ہوتی تو وہ اس وقت میرے ڈیرے

پر ہوتی۔" اس کے جواب نے عمر کو ٹھنڈ ڈال دی

یقین آگیا کہ وہ سچ بول رہا ہے۔

اور یہ حسین واردات کب ہوئی میرے دوست کے"

ساتھ؟ وہ اس کے قریب ہوا۔

بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔" ادھر اس نے کہتے چیئر

کی پشت پر نیم دراز ہوتے آنکھیں موندیں تو چھم سے

ایک نازک سی شبیہہ آنکھوں کے پردے پر لہرائی۔

بیغیرت آدمی۔" عمر منہ میں بڑبڑایا۔ "اور وہ تمہارا"

نکاح؟ عمر اب اس سے پوچھ رہا تھا۔

بھاڑ میں جائے، مجھے اس کاغذ کی رتی برابر پرواہ"

نہیں۔" جازم جہانگیر نے لاپروائی کا عظیم الشان

مظاہرہ کیا۔

اور اپنی آج کی کرتوت؟ جتنا بیچاری بھابھی کو ڈراتے رہے ہو؟ وہ تو تمھارے سائے سے بھی دور بھاگتی ہیں؟ اور آج جو بیغیرتی کی ہے؟" عمر نے اسے اس کے مظالم یاد دلائے جیسے وہ اس معصوم کو زچ کرتا رہا ہے۔ اب اس کے اس پاگل پن کا کیا مستقبل بن پائے گا۔

"غلطی ہو گئی سدھار دوں گا، اس کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں یار اب نہیں رونے دوں گا اسے، وہ صرف جازم جہانگیر شیرداد کی ہے اسی لیے جو بھی ہو

مجھ سے خوف کھائے یا ڈرے آنا تو اسے مجھ تک ہی ہے چاہے مرضی سے چاہے زبردستی۔" اس کے لہجے میں وہ جنون خیزی بول رہی تھی جو ان تینوں کو دہلا کر رکھ گئی۔ اس سر پھرے کے عشق کا سودا جانے کیا کیا گل کھلانے والا تھا۔ اگر اس نے صنف مخالف سے نفرت کی تھی وہ کمال کی کی تھی اور اب محبت بھی کی تو جنون کی طرح سر پر سوار کر لی تھی۔

اب کیا؟" ارسلان نے پوچھا تھا۔"

ایک مرتبہ اسے منا لوں، پھر بس ماں بابا سے بات" کر کے ڈائریکٹ شادی، مجھے نہیں لگتا میں زیادہ انتظار کر پاؤں گا۔" اس نے اطمینان سے کہتے سگریٹ پاس پڑی ایش ٹرے میں مسلی تو وہ تینوں اووو کر کے اس سے لپٹ گئے۔ تب پتہ نہیں کتنے برسوں بعد جیسے وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔ اس کی بات سن کر وہ زیادہ حیران نہیں ہوئے تھے کہ یہاں ان کے گاؤں میں تو ان سے بھی دو چار سال چھوٹے لڑکے لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی تھی۔ جازم نے جان بوجھ کر انھیں دھنکتے

خود سے دور دھکیلا۔ اس کی ناتواں ان دیکھی آگ میں جھلستی جان کو جانے کیا بے اختیاری لگی تھی کہ صبح سکول جانے کو سب سے پہلے تیار تھا۔

وہ گرتی پڑتی گھر پہنچی تھی۔ کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ ماں نے اسے دیکھ کر واویلا مچا دیا لیکن اس نے روتے ہوئے بتایا کہ وہ سکول میں گر گئی تھی۔ ماں کے کہنے پر نہا کر کپڑے بدلے۔ لیکن تب تک خراشوں کے آکڑاؤ سے اسے تیز بخار چڑھ گیا تھا۔

اب یہ بخار چوٹوں کا تھا یا کسی اور چیز کا یہ تو وہی جانے جو اب اپنے کمرے میں بخار میں پھنکتی اپنا گندہ ہوا پہلو پاگلوں کی طرح رگڑے اسے صاف کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نفرت انگیز لمس کی آگ نے اس کو پورے وجود کو جھلسا دیا تھا۔ اتنی دیر میں مہر اس کے پاس تھی۔ اس نے مہر کو یہ بتایا تھا کہ پرنسپل سر سے شکایت پر جازم جہانگیر شیرداد نے اسے ڈرایا دھمکایا تھا۔ اسے بری طرح دھکا دیا تھا۔ لیکن اس کی اس عجیب حرکت بتانے کو وہ گول کر گئی تھی۔ وہ

جو اس سب سے انجان تھی وہ بات جو اسے کراہیت سے دوچار کر رہی تھی وہ بات وہ خود سے بھی دہرانا نہیں چاہتی تھی کجا کے پھر اس بات کا ذکر اپنی دوست کے آگے کرتی۔ مہر اس کے پاس کافی دیر رہی رہی۔ وہ بستر سے ایسے لگی کہ اگلے دن بھی تیز بخار نے اس کی جان نا چھوڑی۔ اس کے بابا اس کی بیماری کی درخواست سکول دے آئے تھے۔ اور اس کا بیگ اور چیزیں جو سکول رہ گئیں تھیں وہ لے گئے تھے۔

وہ سکول آئے تھے۔ آج تو عمر ، ارسلان اور موسی بھی سکول آتے کافی اکسائٹڈ تھے کہ وہ اس شخص کو محبت میں اپنے گھٹنوں پر جھکے دیکھنا چاہتے تھے جس کی گردن کے سریے نے انھیں یہ سوچ کر پریشان کر رکھا تھا کہ وہ اپنی اس ضد اور انا کے چلتے اپنی زندگی برباد نا کر لے۔ لیکن اب وہ اس کے لیے خوش تھے۔

آج جازم جہانگیر شیرداد سکول کے داخلہ دروازے کے گیٹ کے پاس والے میدان میں بیٹھا تھا۔ انتظار

کی تکلیف دہ گھڑیاں طوالت اختیار کر رہی تھی۔ آخر گیٹ بند ہو گیا اور وہ نا آئی۔

"پتا کرو کیا ہوا ہے کیوں نہیں آئی وہ؟ جازم نے گھمبیر سنجیدگی اوڑھے عمر کو کہا تھا۔ آنکھوں میں ان دیکھی وحشت سی ناچ اٹھی۔ موسی اور عمر حرم کی کلاس کی طرف گئے تھے۔ کچھ ہی دیر میں واپس آئے۔

"ان کے بابا اپلیکیشن دے کر گئے ہیں بیماری کی، بخار ہے۔" عمر نے سے تفصیل بتائی تھی۔ اس کے

بعد سکول میں ٹکا وہ بھی نہیں۔ عمر کے ساتھ سکول سے نکل آیا۔

آج تیسرا دن تھا۔ جازم سکول کے داخلی گیٹ کے پاس بیٹھا تھا۔ پرسوں وہ آدھے دن گھر واپس چلا گیا تھا۔ کل بھی وہ بڑی مشکل سے سکول میں ٹکا تھا۔ آج بھی اس کا سرخ چہرہ اور لال بھبھوکا ہلکی نم شہد رنگ آنکھیں اس کے رتجگوں کی گواہی دے رہی تھیں۔ گیٹ بند ہو چکا تھا اور اس کے چہرے پر

غیض و غضب کی سرخی چھا چکی تھی۔ اس نے صبر کرنا کب سیکھا تھا وہ اتنا صبر کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اس نے کسی سکول میں موجود کسی ذی روح کی پرواہ نہیں کی اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ دوست بھی اس کے پیچھے لپکے تھے۔ وہ کیا قہر نازل کرنے والا تھا اس کے دوست دہل گئے تھے۔ وہ حویلی آیا اور حسب معمول اپنا تمام کمرا تہس نہس

کر دیا۔ دوستوں نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ بپھری ہوئی وہ لہر تھی جو کوئی قابو نہیں کر سکتا

تھا۔ اس نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑے تھے اور

تیس نہس کیے بیڈ پر ڈھے گیا۔

عمر جاؤ سانول کو کہو اپنے آدمیوں کو لو اور اسے اٹھا"

کر ڈیرے پر لے آؤ۔" وہ شاید سچ مچ پوری طرح پاگل ہو

گیا تھا ۔ ان تینوں کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔

عمر اس کے پاس بیٹھا۔

کیا کرو گے پھر۔" عمر نے سنجیدگی سے پوچھا۔"

تھوڑی دیر دیکھ کر واپس بھیج دوں گا۔" یہ کہتے اس کی سرخ آنکھوں سے نمی نکل کر کنپٹیوں پر بہہ گئی تھی۔ وہ اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر تینوں حق دق رہ گئے۔

تم کیا چاہتے ہو، سانول ہاتھ لگائے انھیں۔" عمر" نے اس کی توجہ دوسری جانب مبذول کرائی۔ تو وہ تڑپ کر نفی میں سر ہلاتا اٹھ بیٹھا اور تیزی سے کھڑا ہوتا کمرے سے باہر نکلنے کو تھا۔

کیا؟ اب کیا ہوا؟ کہاں جا رہے ہو؟ موسی نے"
جھنجھلا کر پوچھا تھا۔

اس سے ملنے جا رہا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے"
حویلی کی چھت ان کے سر پر گرائی وہ ہڑبڑا کر اس
کے پیچھے لپکے۔

آج تیسرے دن طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ بابا
نے اسے سکول نہیں جانے دیا تھا نہیں تو حرم تو کل

ہی سکول جانا چاہتی تھی۔ آج بھی گھر پر بوریت کا شکار ہو رہی تھی۔ کمینی مہرو بھی کل سے اپنے اماں ابا کے ساتھ شادی میں گئی ہوئی تھی نہیں تو اسے ہی گھر بلا لیتی۔ بابا کام پر تھے اور ماں بازار گئی تھی۔ اور ماں کی جانب سے اسے حکم تھا کہ ان کے آنے سے پہلے گھر کے سارے کام نمٹا کر رکھے۔۔ نہیں تو ماں کی جانب سے اس کے موبائل کو آگ لگانے کا وارنٹ جاری ہو چکا تھا۔ سو وہ شرافت سے سارے گھر کی صفائی کیے اب جانوروں کے باڑے میں آئی تھی

جنھیں دوپہر کا چارہ ڈالنا تھا۔ دوپٹے کا ایک پلو کمر پر
باندھے دوسرا کندھے سے لپٹائے وہ دوپٹے میں
موبائل پھنسا کر ہینڈز فری لگائے گانے سن رہی تھی۔
تبھی گانا تبدیل کرنے کو کھولی پر بیٹھ کر موبائل
سکرول کرنے لگی۔ گانا تبدیل کر کے ساتھ ہی چارے
کے ڈھیر سے چادر میں بندھا تیار چارہ اٹھانے کی
کوشش کی۔

وہ دیوار پھلانگ کر اس کچے سے گھر میں داخل ہوا تھا جس کی دیواریں کچی تھیں مگر کمرے ، کچن اور واش روم پکے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا گھر میں کوئی نہیں ہے۔ ان تینوں نے اس سے پتھر سے بتھیرا سر پٹخا تھا مگر اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی۔ اب وہ تینوں باہر پہرہ دے رہے تھے۔ اسے ہر حال میں اسے دیکھنا تھا ،جس نے اتنی سی عمر میں اس کی آنکھوں سے نیند سکون چین سب کچھ چھین لیا تھا۔ وہ آگے بڑھا اور جانوروں کے باڑے میں ہلچل سی محسوس کی۔ یوں لگا

وہاں کوئی موجود ہے۔ وہ احتیاط اور خاموشی سے آگے
بڑھا اور اینٹوں سے بنی دیوار کے تازہ ہوا کے گزر کے
لیے بنائے گئے سوراخوں سے اندر دیکھا۔ وہ آنکھیں جو
ایسے جل رہی تھیں جیسے ان میں جلتے کوئلے بھر دیئے
گئے ہیں اب ان میں ٹھنڈک اتر آئی تھی۔ سامنے کا
منظر نہایت نازک، حسین اور قیامت خیز سا تھا۔
یونیفارم کے علاوہ اسے گھر کے کپڑوں میں یوں دیکھ
کسی کے ہوش پوری طرح اڑ چکے تھے۔ اسے کانوں پر
گھسیٹ کر ایک نئی طرح کے عذاب میں مبتلا کر کے

وہ کتنے مزے سے یہاں بیٹھی گانے سن رہی تھی۔

وہ اس کی ایک ایک ادا کو دیکھتے اسے دل میں اتارے

گیا۔

وہ اس وقت ایکوا گرین شلوار قمیض میں تھی ہم رنگ

دوپٹہ کمر پر باندھے اپنا وجود بھی چھپایا ہوا تھا۔ حرم کی

زیادہ پشت اور بائیں سائیڈ جازم کی طرف تھی۔

گھنگھرالے ڈارک براؤن بال جوڑے میں مقید تھے ۔ کچھ

آوارہ لٹیں جوڑے سے نکل کر دودھیا گردن کو چھو رہی

تھیں۔ پچھلی گردن پر ایک سیاہ تل موجود تھا جو اپنے

وہاں ہونے پر نازاں تھا۔ وہ کھولی پر بیٹھی ہینڈ فری کانوں میں لگائے موبائل میں مصروف تھی۔ پاس کھڑے بکرے نے ناراض ہو کر اسے سینگ مارنے کو اپنی پوری طاقت سے سامنے والی دو ٹانگیں ہوا میں بلند کیں تھیں۔ مگر سامنے بیٹھی پری پیکر معصوم اور نازک جان کو دیکھ شاید اس کا بھی فیملی موڈ آن ہو گیا تھا اسی لیے زمین پر پاؤں رکھتے بلکل ہلکے سے اس کے گھٹنوں پر سر مارا۔ تبھی حرم نے ہنستے اپنے لاڈلے بکرے کا لمبا سینگ پکڑ کر اپنی جانب کھینچا اور اس کا

ماتھا چوم لیا۔ موبائل دوپٹے میں اڑس لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

صبر کرو بھئی، صبر بھی کوئی چیز ہے۔" اس نے بکرے کو ڈانٹا۔ جو اللہ جانے کیوں میں میں کر رہا تھا۔ اس نے چارے کے ڈھیر سے چارے کی گٹھڑی اٹھانے کی کوشش کی جو بہت بھاری تھی۔ نازک جان دھان پان سا وجود اور وہ گٹھڑی بہت بھاری تھی۔ اس نے گٹھڑی اٹھا کر کندھے پر گرانے کی کوشش کی مگر گٹھڑی کے ساتھ خود بھی تیورا کر بل کھاتے پہلے

گٹھڑی اور پھر اس پر خود چارے کے ڈھیر پر پشت کے بل ڈھیر ہو گئی۔ ہینڈ فری اور موبائل بھی چارے کے ڈھیر پر جا گرے۔ وہ اپنی ہی کرتوت پر کھلکھلا کر ہنسی تھیں۔ خوبصورت ہنسی کی جادوئی کھنک پورے باڑے میں گونجی۔ وہ ہنستی چلی گئی۔

ادھر جازم مبہوت دنیا و مافیا کی ہوش بھلائے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے سامنے اسے ڈرے سہمے اور سکول میں زیادہ تر سنجیدہ دیکھا تھا اب یوں اسے ہنستے دیکھ خود کے لب مسکراتے چہرے پر

پھیلے ہوئے تھے یوں کہ کوئی اگر اسے اس طرح کھل کر مسکراتے دیکھ لیتا تو غش کھا کر بیہوش ہی ہو جاتا۔

وہ کپڑے جھاڑتے اٹھی تھی اور ادھر جازم جہانگیر شیرداد باڑے میں داخل ہوا تھا۔ وہ جو اپنے دھیان میں ہی تھی آہٹ محسوس ہونے پر سامنے نگاہ اٹھائی تو حرم کو لگا اتنے اچانک اتنی غیر متوقع جگہ پر بے وقت اس نے موت کا فرشتہ دیکھ لیا ہو۔

آہہہہ، ہلکی سی چیخ کے ساتھ وہ جو سنبھل رہی تھی" بدحواسی میں پھر سے چارے کے ڈھیر پر گر گئی۔

چہرے کی سرخ و سفید شہابی رنگت خوف کی شدت سے پل میں لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی۔ جبکہ حرم کا جازم سے اتنا زیادہ خوفزدہ ہونا محسوس کر وہ اذیت سے اپنے لب بھینچ گیا۔

"آپ، کک، کیوں آئے ہیں یہاں، اب مم میں نے کک، کچھ نہیں کیا، چلے جائیں ہمارے گھر سے۔" اس کی آنکھیں تیزی سے بھیگ گئی تھیں۔ گلے میں گٹھلی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ اس نے ہمت کر کے اسے جانے کو کہا جو اس سے ایک قدم کے فاصلے پر زمین

پر گھٹنے کے بل جھک کر بیٹھتا اس کا موبائل اپنے ہاتھ میں تھام چکا تھا۔

"تم نہیں جانتیں حرم معراج تم نے کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے جازم جہانگیر شیرداد کا۔" اس نے آنچ دیتے لہجے میں کہا تھا۔ لیکن وہ تو نم نگاہیں لیے تیزی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی جیسے خوف کی شدت سے ہوش میں ہی نا ہو پورے ہوش و حواس قائم رکھتی تو سمجھتی کہ مقابل کا لہجہ کتنا دھیما اور کیسے بدلا ہوا ہے۔ آنکھوں میں وحشت اور قاتل سی دہشت کی بجائے دھیمے آنچ

دیتے سے نرم گرم جذبے مچل رہے تھے۔ تبھی جازم جہانگیر اس کی حالت دیکھ کر جان چکا تھا اسے کیسے ڈیل کرنا ہے۔

"سکول کیوں نہیں آئیں؟" اس نے اب سنجیدگی سے پوچھا تھا لہجہ جان بوجھ کر سخت کیا۔ حرم کی تو سانسیں تک اٹکی پڑیں تھیں بولتی کیا۔ "کیا چاہتی ہو؟ تمھاری چھٹیوں کی وجہ سے سب کو پتہ چلے کہ ہمارا جھگڑا ہوا تھا، میں نے تمھیں ڈرایا اور اسی لیے تم سکول نہیں آرہیں، یہی چاہتی ہو؟ وہ تیز لہجے میں کہتا ساتھ

ساتھ اس کا موبائل چیک کر رہا تھا جس میں سم نہیں تھی نا کوئی سوشل ایپ۔ ایک واٹس ایپ تھا جو یقیناً اس کے بابا کے نمبر پر بنا ہوگا۔ جازم نے اتنی سی دیر میں اس کی چند تصاویر اپنے نمبر پر سینڈ کر کے ادھر سے ڈلیٹ بھی کر دی تھیں۔ وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

انتہائی بے تکی بات تھی جازم کی مگر وہ اسے اپنی باتوں میں الجھا چکا تھا۔ وہ غور کرتی تو جان پاتی۔

کل سکول آو گی تم ہر حال میں، میں نہیں چاہتا"

ہمارے جھگڑے کا کسی کو پتا چلے، سمجھیں؟ وارننگ

دیتا سا لہجہ بھی نرم تھا وہ سمجھنے کی کوشش کرتی تو

اس کایا پلٹ پر حیرانگی سے غش کھا جاتی۔ حرم نے

بکری کی طرح ہاں میں سر ہلایا۔

"گڈ گرل۔" اس نے کہا اور ایک بھرپور نظر اس نازک

نرم و ملائم نوخیز وجود پر ڈالی۔ موبائل اس کے قدموں

میں رکھا اور (نا چاہتے ہوئے بھی) اذیت سے لب کچلتا

وہاں سے تیزی سے نکل گیا۔ ایک دنیا فدا دی اس پر۔

لڑکیاں اس سے بات کرنے کو مرتیں تھیں۔ اس کی وجاہت اس کی خوبصورتی بھی تو کم نہیں تھی وہ مردانہ وجاہت کا مرقع تھا۔ لیکن یہ لڑکی جانے کیا چیز تھی کہ اسے سوائے جازم سے ڈرنے کے اور کوئی کام ہی نہیں تھا۔ وہ بری طرح جھنجھلایا۔

وہ جا چکا تو پیچھے حرم حق دق سی لبوں پر ہاتھ رکھ گئی۔ ہااااا اور میں اپنے ہی گھر میں اس سے ڈر کر مرنے والی ہو گئی۔ لعنت حرم معراج تم پر لعنت۔ اٹھا کر

کوئی ڈنڈا سر میں مار دیتیں اس دن کی گندی حرکت کا

بھی بدلا لے لیتیں۔ پھر چاہے انجام جو بھی ہوتا۔ ہمت

دیکھو میرے گھر میں مجھے ہی دھمکا گیا۔ اب دیکھنا

کیسے ڈٹ کر مقابلہ کرتی میں اس زلیل کا۔

الو کا پٹھا، پاگل، ذہنی مریض ، کتا ، کمینہ ، مرے اللہ"

کرکے، اسی گاؤں میں قبر کھدے

خود کچھ نا کرنے کا کلنک تھا سو اسے کوسنے بددعائیں

دے کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑے گئی۔ حرم

نے سر جھٹکا اور اٹھ کر گھر میں ہر طرف دیکھا۔ کوئی

بھی نہیں تھا۔ اب کسی سے نہیں ڈروں گی۔ وہ دل میں تہیہ کرتی اسے بھاڑ میں جھونکتی اپنے باقی کے کام نمٹانے لگی۔

وہ کھالی پر آہستگی سے چہل قدمی کرتا مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ دوست ساتھ تھے اور ایک طرف بیٹھ کر کب سے اس کی لیفٹ رائٹ مارچ اور مسکراہٹ دیکھے جا رہے تھے۔

کیا کارنامہ سر انجام دے کر آئے ہو؟ اور کتنا ڈرایا" ہے انھیں؟ دیکھنا کسی دن تمھاری یہ (منحوس) شکل دیکھ انھیں ہارٹ اٹیک ہی نا آجائے۔" موسی نے یقیناً کہ وہ کیا طنز کیا تھا۔ اس نے انھیں مختصراً بتا دیا کارنامہ سر انجام دے کر آیا ہے۔

تب اسے جانے کیا بات یاد آئی تھی کہ ان تینوں کو اپنی زندگی کی خوشگوار ترین حیرت ہوئی کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔ اس نے یقیناً کچھ تو ایسا دیکھا تو جو وہ ہنسے گیا۔

کیا ہوا؟ عمر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔"

کچھ نہیں۔" (لیکن سسر جی کو دیسی گھی کے ڈبے" ضرور بھیجنا پڑیں گے) اس نے سر جھٹکا۔ "چلو ڈیرے پر چلتے ہیں۔"

کیسی رہی شادی۔" حرم نے سکول کی جانب آتے" اس سے سرسری سا پوچھا۔ وہ کافی عجیب سا بیہیو کر

رہی تھی جیسے کچھ بہت بڑی دھماکے دار بات بتانے

والی ہو۔

بہت انجوائے کیا، اور ہاں تمھیں ایک بات بتانی"

ہے، مجھے بھی شادی میں ہی پتا چلی، نانی جب ماں

سے پوچھ رہی تھی تب۔" مہر نے نگاہیں جھکائے یہ

بات کی۔ حرم ٹھٹھک گئی۔

"کیا بات تھی، کیا پوچھا نانی نے؟" حرم حیران ہوئی

تھی۔

یہی کہ مہر کا نکاح کرنے میں تو اتنی جلدی مچائی"

تھی اب رخصتی کب کر رہے ہو۔" مہر نے آہستگی

سے کہا تو حرم چیخ پڑی۔

کیا؟ مطلب تمہارا نکاح ہو چکا ہے؟ کب؟ کیسے ہوا؟"

اور تم مجھے اب بتا رہی ہو میسنی کبوتری۔" حرم دانت

کچکچا کر رہ گئی تبھی اس کی گردن اپنے ہاتھ میں دبوچی

تب تک سکول کا گیٹ آ چکا تھا۔

کمینی مجھے خود نہیں معلوم تھا۔" مہر روہانسی ہوئی۔"

اور ہمارے دلہے بھائی کا نام کیا ہے۔" حرم اس"

کے کان میں گھسی ۔ مہر کی نگاہ سامنے اٹھی اور پلٹنا

بھول گئی۔ آنکھوں میں حسرتیں لہریں لینے لگیں مگر

اس نے سر جھٹکا۔

"اللہ جانے، مجھے نہیں معلوم۔" مہر نے مسکرا کر کہا۔"

تو پتہ کرو ناں جانی۔" کہتے حرم کی نگاہ بھی اب کی"

دفع گیٹ کے سامنے والے گراؤنڈ پر پڑی۔۔ جہاں وہ

یونیوفارم میں کف کہنیوں تک فولڈ کیے اور شرٹ کے

اوپر والے دو بٹن کھولے اس رف ٹف سے حلیے میں

بھی کوئی طلسمی مگر مغرور اور متکبر سا شہزاد اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ حرم کی مسکراہٹ سمٹ گئی وہ مہر کے پیچھے چھپ سی گئی۔ تبھی تیز قدم اٹھاتے وہ لوگ وہاں سے نکل گئے۔

وہ سکول کے داخلی گیٹ کے سامنے والے گراؤنڈ میں بیٹھا تھا۔ یہ انتظار کافی لذت بھرا تھا۔ یہ پل سینے میں ایک میٹھا سا درد جگاتے تھے۔ اور پھر گیٹ کی جانب سے راحت کے جھونکے سے آنے لگے۔ سامنے ہی وہ ہنستے مسکراتے سہیلی سے بات کرتی گیٹ میں داخل

ہو رہی تھی۔ حرم نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ سی گئی۔ وہ اپنی سہیلی کے پیچھے چھپ سی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے جازم کو اپنا لب دانتوں تلے دبا کر اپنی مسکراہٹ چھپانی پڑی۔ وہ لوگ تیزی سے وہاں سے نکل گئیں۔ لیکن پھر ان کے پیچھے ہی واحد مجسم کو گیٹ کے اندر آتے دیکھ اس کے ماتھے پر بلوں کا جال سا بچھ چکا تھا۔

"یہ کیا حرم کو سٹاک کر رہا ہے، نظر رکھو اس پر۔" اس نے مڑ کر آہستگی مگر پھنکارتے سے لہجے میں موسی کو کہا تھا

وہ سارا دن کلاس میں بے قرار سا رہا۔ اس کی یہ بے قراری یہ بے اختیاری سب کی نظروں میں آنے لگی۔ اس کا بات بار پر چیخنا چلانا اور کاٹ کھانے کو دوڑنا آج دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ تبدیلی کافی نگاہوں نے نوٹ کی تھی۔ آخر بریک کے وقت پرنسپل نے اسے

پھر سے ان کی کلاس لینے کا بول کر اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشخبری سنائی۔ آج تو اس کا دل کر رہا تھا پرنسپل کا بھی منہ چوم ڈالے۔

وہ پرنسپل کے ہمراہ ٹینتھ کلاس میں آیا تھا۔ کسی وجہ سے مس شاہین آج بھی چھٹی پر تھیں۔ تبھی پرنسپل کو اس کی خدمات لینی پڑیں تھیں۔ اسے پرنسپل کے ہمراہ کلاس میں آتا دیکھ مہر اور حرم کے سانس سوکھ گئے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی جانب بیچارگی سے دیکھا۔

بیٹا آج پھر مس شاہین کلاس نہیں لے سکیں گی تو"

ان کی جگہ جازم بیٹا یہ کلاس لے گا، آج سے تین

دن پہلے جو ٹیسٹ تھا وہ کینسل کر دیا گیا تھا آج وہ

پھر سے آپ لوگ جازم بیٹے کو دیں گے۔" پرنسپل

اعلان کر کے جا چکے تھے۔ آج مہر اور حرم مطمئن

تھیں انھوں نے چیپٹر کی خوب تیاری کی ہوئی تھی۔

وہ آج اس دن کی طرح ٹیچر چیئر پر بیٹھنے کی بجائے

ٹیبل پر ٹکا ہوا تھا۔

کچھ ریوائز کرنا ہے دس منٹ ہیں آپ لوگوں کے "
پاس۔" اس نے اپنی سفید کلائی میں وقت دیکھتے کہا
تھا۔ نگاہوں کا مرکز ایک خوبصورت اور دلنشین سا منظر
تھا۔ رگوں میں سرور سا دوڑ رہا تھا۔۔وہ اسے نگاہوں کے
حصار میں رکھے ہوئے تھا اس طرح کے اس کی نگاہوں
کی تپش کا اثر تھا کہ وہ معصوم بار بار چونک کر سر اوپر
اٹھا رہی تھی کہ اسے آخر دیکھ کون رہا ہے پھر اپنا وہم
سمجھ کر جھٹک دیتی۔

اس نے ٹیسٹ وائٹ بورڈ پر لکھ دیا۔ سب نے سوال نوٹ کر لیے۔ آج اسے کہنا نہیں پڑا ساری کلاس نے اپنے اپنے ٹیسٹ پر ہیڈ ڈاؤن کر لیے۔ وہ مخصوص سر بھی اپنے ٹیسٹ میں گھسا ہوا تھا۔ جسے دیکھ وہ مسکراہٹ بمشکل دبا پایا۔ پھر اس نے دیکھا وہ بری طرح پریشان ہوئی ہے۔

حرم نے ٹیسٹ شروع کیا ابھی ایک سوال ہی لکھا تھا کہ بال پین دغا دے گیا۔ اس نے اپنے ہینڈ پاؤچ میں ہاتھ مارا تو دھک سے رہ گئی۔ شاید سارے پین گھر

چھوٹ گئے تھے۔ حرم کا دل کیا دیوار میں سر دے مارے۔ اس دن کی بے عزتی بھولی نہیں تھی اور پین لینے کو بھی وہ پاگل شخص جانے کیا معنی اخذ کر لیتا۔ سارا ٹیسٹ یاد ہونے کے باوجود وہ اب ایک لفظ نہیں لکھ سکتی تھی۔ مہر نے بے عزتی سے بچنے کو اپنے ٹیسٹ پر سر جھکایا ہوا تھا۔ نہیں تو اشارہ ہی کر دیتی۔ بے بسی کی انتہا سے اس نے بینچ پر بازو رکھا اور اوپر سر ٹکا لیا۔ جازم نے دیکھا اس کا بال پین ختم ہو چکا ہے اور وہ کسی سے بھی مانگنے کی بجائے اپنے بازو پر

سر ٹکا گئی ہے۔ وہ دھیمے سے چلتا اس تک پہنچا۔ اپنی پاکٹ سے پین نکال کر پین سے اس کے ڈیسک پر ہلکا سا ٹیپ کیا۔ حرم نے چونک کر سر اوپر اٹھایا تو دھک سے رہ گئی۔

پین۔" جازم نے کہتے اپنے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا" کیونکہ وہ ہونقوں کی طرح اس کا منہ دیکھے جا رہی تھی۔ حرم کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ فوراً سر نفی میں ہلایا۔ کہ اسے نہیں چاہیے۔ جازم نے ایک سرد سانس اپنے اندر کھینچی۔

ٹیسٹ سے بچنے کا بہانہ ہے ناں یہ۔" وہ جانتا تھا"
اس سے کیسے ڈیل کرنا ہے تبھی سنجیدگی سے کہا اس
کی بات سن کر اس کی بے داغ شفاف روشن گلابی
سی پیشانی پر دو ننھے سے بل پڑ گئے تھے۔ اسی لیے
ہاتھ آگے بڑھا کر پین تھام لیا اور اپنے ٹیسٹ پر جھک
گئی۔ وہ آکر ٹیچر چئیر پر بیٹھا پر دل وجان کو راحت
کہاں تھی۔

حرم معراج، پیچھے بیٹھی عائشہ تمھارا ٹیسٹ دیکھ رہی"
ہے، یہاں آگے آکر بیٹھو۔" اس نے نیا حکم نامہ

جاری کیا تو حرم کلس کر رہ گئی۔ مگر ناچار اپنے ڈیسک
سے اٹھ کر اس کے سامنے والے ڈیسک پر بیٹھ گئی۔
سفید یونیفارم میں گلابی کانچ کی گڑیا نے اس کا چین
سکون قرار سب لوٹ رکھا تھا۔ اسے سمجھ نا آئی اس
نازک جان کے نام کا جگنو کس طرح اپنی مٹھی میں قید
رکھے۔ وہ پاس بیٹھا کر اسے اپنے طریقے سے نہارتا رہا۔
جازم جہانگیر شیرداد کو آتش عشق کی نذر کر کے وہ خود
آخر اتنی انجان، نا سمجھ اور اتنی لاپرواہ کیسے رہ سکتی تھی۔
اسے بھی تو اس آگ میں جلنا ہوگا۔ جازم کا دل کانوں

میں بجتا جب وہ اس کا پین لاشعوری طور پر اپنے سرخ لبوں میں دبا لیتی۔

تمھیں میری ہر بے قراری، بے سکونی اور بے چینی سے آگاہ ہونا پڑے گا۔ تمھیں بھی اس آگ میں جلنا ہوگا جس نے مجھے سوکھی لکڑی کی طرح جلا رکھا ہے۔ میری جان تمھیں آج ہر حال میں میرا حالِ دل جاننا ہوگا۔ تمھیں میرا ہونا ہوگا اور میرے پاس پوری طرح آنے کے لیے تمھیں دنیا سے کنارہ کرنا پڑے گا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔

اسی پل حرم نے اپنی بڑی بڑی نین کٹورا آنکھیں اٹھا کر جازم کی جانب دیکھا۔ اسے لگا جیسے اس نے حرم کو پکارا ہے۔ نگاہوں کا تصادم بڑا جاندار تھا۔ وہ اس کو یوں اپنی جانب دیکھتا پا کر اندر تک لرز گئی تھی۔ وہ فورا ٹیسٹ پر جھکی۔

ارے یہ 'عذاب' مجھے ایسے کیوں گھور رہا ہے کہیں میرے سر پر نئے طریقے سے تو نازل نہیں ہونا۔ نری مصیبت کہیں کی۔ ویسے اب میں نے کیا کیا ہے؟

حرم نے غور کیا اور پین سے اپنا ماتھا کھجاتے اسے غش پڑنے والا ہو گیا۔

ارے یہ پین۔ میں اپنے ابا کی جاگیر سمجھ کر پتا نہیں اس سے کیا اوٹ پٹانگ حرکتیں کر رہی ہوں۔ حرم در فٹے منہ۔

اس نے جلدی سے ٹیسٹ مکمل کیا اور ٹیسٹ بند کر کے اوپر پین رکھ دیا۔اتنی ہمت بھی نہیں تھی اسے مخاطب کر کے پین واپس کرتی۔ جازم نے سب سے

ٹیسٹ لیا۔ چھٹی ہوئی تو ان کی گلو خلاصی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے لڑکیاں کلاس سے باہر نکلیں تھیں۔

"سنو شادی کے دوران ایک عجیب بات بھی ہوئی

تھی۔" مہر نے حرم سے کہا تو وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

"سویرا (چچا کی بیٹی) نے بتایا تھا کہ میرا چوہدریوں کے

گھر سے رشتہ آیا تھا، جس پر ماں بابا اور سارے گھر

والے بے حد غصہ ہو گئے تھے، چوہدریوں کو خوب

کھری کھوٹی سنائی گئی، اور جب یہ سب ہو رہا تھا اللہ جانے میں کہاں مری ہوئی تھی۔" مہر نے کہا تو حرم ہنس دی۔

"چھوڑو دفع کرو، بڑوں کی باتیں بڑے جانیں، لیکن کل کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے نکاح نامے سے ہمارے بہنوئی بھیا کا نام ضرور پتہ کر لینا نہیں تو ہڈیاں توڑ دوں گی۔" حرم نے کہا تو وہ ہنس دی۔ جب اچانک اسے نائنتھ کلاس کی لڑکی نے آواز دی۔

مہر کو نائنتھ کلاس کی میڈم شازیہ نے کسی کام سے

یاد کیا تو وہ کوریڈور میں کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی۔

تبھی وہاں واحد مجسم آیا تھا۔ اس بے نیاز سی حسین

مورت کو دیکھ وہ مبہوت سا ہوا۔

حرم مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے، کئی دن"

سے کوشش کر رہا ہوں مگر بات کرنے کا موقع ہی

نہیں ملتا۔" وہ لجاجت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

،اگر تو بات پڑھائی کے متعلق ہے تو کہیے کیا کہنا"

اس کے علاوہ اگر کوئی فضول بات ہے تو اس میں

مجھے کوئی دلچسپی نہیں، آپ اپنا وقت ضائع مت کریں۔" حرم نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"پلیز حرم ایسا مت کہیں، میں ایک سال سے آپ کے پیچھے خوار ہو رہا ہوں، کبھی آپ سے کوئی فالتو بات نہیں کی، ابھی بھی آپ سے بات نہیں کرتا اگر میرے والدین کو آپ کے والدین نے اتنا بے عزت نا کیا ہوتا۔" اس نے اذیت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

حرم ششدر سی اسے دیکھے گئی۔

کیا مطلب ہے آپ کی بات کا۔" اس نے نا سمجھی"

سے پوچھا۔ یہ جانے بغیر کہ جازم اس کے پیچھے یہاں

تک آیا تھا اور اس کے پاس اس شخص کو کھڑا دیکھ کر

اس کا روم روم رقابت کی آگ میں جھلس گیا تھا۔

"میں نے اپنے والدین کو آپ کے گھر بھیجا تھا آپ کا

رشتہ مانگنے، کیونکہ میں آپ کو لے کر بہت زیادہ

سیریس ہوں، لیکن سامنے سے انھوں عجیب بات کی

"ہماری بیٹی۔

"واٹ دا ہیل، یہ ہو کیا رہا ہے یہاں،؟ ہاؤ ڈئیر یو باسٹرڈ۔" ایک شیر جیسی دھاڑ پر حرم اپنی جگہ سے دو قدم پیچھے اچھلی تھی۔ لیکن پھر ایک ہلکی سی چیخ منہ سے برآمد ہوئی تھی کہ اس پاگل سر پھرے نے ایک زور دار مکا واحد کے منہ پر جڑ دیا تھا۔

"تمھاری ہمت کیسے ہوئی اسے ہراس کرنے کی۔" وہ حلق کے بل چیخا تھا۔ اس کے دوستوں نے اس بپھرے ہوئے کو بمشکل قابو کیا۔

"اپنے ، جاہل انسان میں ایسا کچھ بھی نہیں کر رہا تھا دماغ کا علاج کرواؤ جا کر۔" واحد مجسم نے بھی سنبھل کر اس کے دست گریباں ہونے کی کوشش کی تھی جس کے ناک سے خون بہہ رہا تھا اس کے بھی دوستوں نے اسے پکڑ رکھا تھا۔

"میں تمھیں جان سے مار ڈالوں گا باسٹرڈ۔" وہ پھر سے چلایا تھا۔ وہ جو ڈری سہمی ہرنی ان بھیڑیوں کے بیچ پھنسی کھڑی تھی یہ سب اب برداشت سے باہر ہو رہا تھا۔

خدا کے لیے چپ کر جاؤ، بس کرو آپ لوگ۔" وہ" حلق کے بل یوں چلائی کہ جیسے گلے میں خراشیں پڑ گئیں تھیں۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکیں تھیں۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر ساکت و جامد ہوئے تھے۔ واحد مجسم نے صرف اس کے آنسو کی وجہ سے پسپائی اختیار کی اور اپنا بیگ زمین سے اٹھاتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

وہ تمھیں ہراس کر رہا تھا؟" جازم اس کی جانب پلٹا" تھا۔ لیکن وہ ایک نفرت بھری بھیگی نگاہ اس پر ڈال کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

حرم۔" جازم نے اسے پکارا۔ مگر وہ جا چکی تھی۔ جازم" نے اپنا ماتھا بری طرح مسلا۔

وہ آتش فشاں پہاڑ بنا حویلی آیا جو ایسے لگتا تھا کبھی بھی پھٹ پڑے گا۔ یعنی اس زلیل شخص کی اتنی ہمت بڑھ گئی تھی کہ اس نے جازم سے پہلے اپنے ماں باپ کو ان کے گھر بھیج دیا تھا کیوں؟ اس کسی پل کسی جگہ چین نہیں تھا اوپر سے کپڑے بدل کر ڈیرے پر کا کر اپنے مسئلہ کا کوئی حل تلاشنے کے

لیے اپنے کمرے سے باہر آیا تو اس کے باپ نے اسے گھیر لیا۔

"آؤ جازم، یہاں بیٹھو، ہمیں بہت ضروری بات کرنی ہے تم سے،

"پلیز بابا، مجھے بہت ضروری کام ہے، آپ کے بات سے بھی زیادہ ضروری کام، اسی لیے مجھے جانا ہوگا۔

اس نے شان بے نیازی سے کہا تو جہانگیر شیر دار کے تو گویا تلوؤں پر لگی سر پر بجھی۔

ایک قدم یہاں سے اٹھاؤ، میں تمھاری ٹانگیں توڑ دوں"

گا۔" وہ بھڑک اٹھے۔ جازم نے اپنے لب بھینچے اپنا

غیض و غضب سینے میں دفنایا اور ان کے سامنے

صوفے پر جا بیٹھا۔

ہم تمھاری رخصتی طے کرنے لگے ہیں۔" انھوں نے"

اطمینان سے کہتے زمین آسمان اس کی نگاہوں کے

آگے گھما دیئے تھے (پہلے وہ کم وحشت زدہ ہو رہا تھا)

بات یہ ہے کہ ہم تو ابھی تین چار سال یہ معاملہ

چھیڑنے ہی نہیں والے تھے مگر جہاں بیری ہوتی ہے

وہاں پتھر لازمی آتے ہیں مگر یہاں معاملا تھوڑا گھمبیر آ

گیا ہے، ہماری بھو کے لیے چودھریوں کے گھر سے

رشتے آنے لگے ہیں، میرے دوست نے انھیں منع

بھی کیا لیکن وہ رشتے کے لیے بضد ہیں، اسی لیے اس

"مسئلہ کا یہی حل نکالا ہم نے۔

کہ آپ طلاق کے پیپر بنوا لیں، میں سائن کر دوں گا"

اس مسئلے کا اس سے زیادہ بہترین حل نہیں ہے

میرے پاس، بڑے کاٹ دار لہجے میں اس نے انتہائی

بدلحاظی سے اپنے باپ کی بات کاٹی تو وہ اور اس کی ماں دم بخود سے اس کی جانب دیکھے گئے۔

وجہ یہ ہے کہ میں کسی اور لڑکی سے محبت کرتا ہوں، اسی سے شادی کروں گا، آپ لوگ میری پسند کی لڑکی کے گھر رشتہ لے کر جانے کے لیے تیار رہیں۔" اس کا حتمی لہجہ دو ٹوک تھا۔ جہانگیر شیرداد بلکل چپ سے ہو گئے تھے۔ ماں باپ پر تو شادی مرگ کی سی کیفیت تھی۔ اس کایا پلٹ پر جہاں

حیرانی پریشانی ہوئی تھی وہاں دل بلیوں اچھل پڑے تھے۔ شکر ہے یہ بے نتھا بیل کسی کے قابو تو آیا تھا۔

کون ہے وہ لڑکی؟" انھوں نے سرسری سا پوچھا جبکہ" جازم جہانگیر شیرداد کو اپنے باپ کی اتنی شرافت اور اتنی خاموشی بلکل ہضم نہیں ہوئی تھی۔ (کہیں اپنی آنا ضد اور دوستی کو نبھانے کے چکر میں یہ لوگ حرم یا اس کے گھر والوں کو کوئی نقصان نا پہنچا دیں۔ اس)کا دل ڈوب کر ابھرا

واپسی پر بتاؤں گا، ابھی مجھے لگتا ہے آپ لوگ اس "سب کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں، آپ تیار رہیں آپ کو انھیں کے گھر رشتہ لے کر جانا ہے کیونکہ مجھے شادی صرف اسی سے کرنی ہے اور بہت جلد کرنی ہے۔" اس نے فیصلہ سنایا اور وہاں سے نکل گیا۔

پیچھے جہانگیر شیرداد نے ایک گہری سانس اپنے اندر خارج کی تھی کہ آگے قسمت میں کیا لکھا تھا یہ تو خدا ہی جانے۔

وہ سکول سے تھکی ہاری آئی۔ یونیفارم چینج کیا کھانا کھایا اور اب ذرا سا سستانے کو اپنے پلنگ پر آنکھوں پر بازو رکھے نیم دراز تھی۔ عجیب مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔ وہ دو سکول کے نمونے۔ اس کی زندگی میں دونوں ہی ناپسندیدہ ترین فرد۔ جو اس کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے۔ کیا بکواس تھی۔ اس نے پہلو بدلا۔ تبھی فون کی رنگ گنگنا اٹھی۔ اس نے بے دلی سے فون اٹھایا تو حیرت و صدمے کی شدت سے آنکھیں پھٹ پڑیں۔ وہ یوں اٹھ بیٹھی جیسے کسی بچھو نے ڈنک مارا ہو۔ ان

کمنگ کال پر جازم جہانگیر شیرداد جلی حروف میں جگمگا رہا

تھا۔ اس نے کب یہ نمبر سیو کیا تھا۔؟ اسے نہیں

پتہ تھا یہ نمبر اس کے فون میں کب اور کیسے سیو ہوا۔

اس نے فون کسی اچھوت کی طرح خود سے دور پھینکا۔

مگر رنگ مسلسل ہو رہی تھی۔

"ارے حرم، تمھارے بابا کال کر رہے ہوں گے،

اٹھاتی کیوں نہیں۔" باہر سے اس کی ماں زارا خاتون

نے غصے سے کہا تھا۔

حرم نے گڑبڑا کر فون اٹھایا۔ فون کرنے والا بہت مستقل مزاج معلوم ہوتا تھا۔ بدحواسی میں کال اٹھا کر فون کان سے لگایا۔

ہیلو۔" اس کے منہ سے پھنس پھنس کر نکلا تھا۔"

تم نے مجھے بتایا نہیں وہ تمھیں ہراس کر رہا تھا، اور"

"اس نے اپنے ماں باپ تمھارے گھر کیوں بھیجے۔

وہ جس کے سینے میں جلتی آگ اور بھڑکتے لاوے کے جوار بھاٹے سے اٹھ رہے تھے اس کی شعلے اگلتی آواز

میں ایسی سنسناہٹ تھی کہ حرم کو اپنے وجود پر چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ تبھی فون کاٹتے اسے خود سے دور پھینکا۔ حرم کی سانسیں بے ترتیب سی ہوئی تھیں۔ یہ کیسی مصیبت تھی جو گلے ہی پڑ گئی تھی۔ فون ایک مرتبہ پھر چنگھاڑ اٹھا تو حرم نے جلدی سے اسے سائلنٹ پر لگایا وہ فون آف کر دینا چاہتی تھی۔ مگر تب تک اس وحشی کا جان لیوا میسج نگاہوں سے گزر چکا تھا۔

حرم معراج کال اٹھاؤ۔ فون بند کیا یا کال کاٹی تو اس دن کی طرح گھر آ جاؤں گا۔

ایک مرتبہ پھر حرم کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی تھی۔ اس نے فون جلدی سے اٹھا کر کان کو لگایا۔

آ، آپ کے ساتھ م، مسئلہ کیا ہے ک، کیوں پیچھے پڑ" گئے ہیں م، میرے، کیا بگاڑا ہے م، میں نے آپ کا۔" وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔ دوسری جانب پل بھر کو خاموشی سی چھا گئی۔

جو میں نے سوال پوچھا ہے اس کا جواب دے "کیوں نہیں دیتیں حرم۔" سامنے سے بے بسی سے کہا گیا تھا۔

وہ نہیں، آپ ہراس کر رہے ہیں مجھے، "سنا آپ نے، شروع دن سے، آپ نے ہراس کیا ہے مجھے، آپ سے زیادہ اچھا ہے وہ، کم از کم لڑکیوں کی عزت تو کرتا ہے۔" نمی سے بھرپور آواز میں وہ دبا دبا سا چلا کر بولتی اسے سناٹوں کی زد میں لے آئی تھی۔ حرم نے فون بند کر کے آف کر دیا۔

جبکہ وہ آندھیوں کی زد میں آتا جیسے تڑپ اٹھا تھا۔ اتنی سی دیر میں اس کے دل کی اور ذہنی حالت تباہ ہو چکی تھی۔

آج اتوار تھا ماں بابا کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر گئے تھے اور اس کے پاس مہر کو چھوڑ دیا تھا۔

وہ دونوں دوپہر کے تقریباً دو بجے ان کی رسوئی میں تھیں اور حرم اس سے چھپائی گئی تمام باتیں اس وقت اس

کے گوش گزار کرتی اسے حیرت و صدمے سے دوچار کر گئی تھی۔

"اس کمینے نے تمھیں ہاتھ لگایا اور گھر تک آ کر دھمکا کر چلا گیا حرم اور تم مجھے اب بتا رہی ہو۔" وہ چیخ پڑی۔

"تو تم نے کیا بگاڑ لینا تھا اس کا۔" مٹن پلاؤ کو دم لگاتے اس کی آواز میں بے بسی اور خود اذیتی تھی جو مہر کو بھی چپ کروا گئی۔ واقعی وہ اتنا طاقتور تھا کہ ان دو ناتواں جانوں نے کیا ہی بگاڑ لینا تھا اس کا الٹا بدنامی کا زیادہ خدشہ لاحق ہو جاتا۔

"تم نے کہا، اس نے اپنا پین تمھیں دیا اور تمھارے لیے واحد مجسم سے جھگڑا کیا۔" مہر کی آواز پر سوچ تھی۔

"ہاں میں نے یہی بتایا، کم سنتا ہے کیا؟ وہ چڑ گئی۔

"حرم دال میں کچھ کالا ہے۔" مہر نے پراسراریت سے کہا۔ "مطلب تم نے اب تک یہ نہیں سوچا کہ یہ جازم جہانگیر نے کیوں کیا ہوگا۔" مہر نے آہستگی سے کہا۔

یہی تو سوچ سوچ کر پاگل ہو گئی ہوں۔" وہ جھنجھلائی تھی۔ ابھی کچھ اور کہتی کے باہر صحن سے

دھڑام سے کوئی چیز زمین پر گرنے کی آواز سے دونوں چونک گئیں تھیں۔

آج پھر جازم نے ان کی کچی دیوار پھلانگی تھی۔

اطمینان سے چلتا وہ کچن کی طرف آیا جہاں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ یہ تو معلوم تھا کہ ان دونوں کے علاؤہ گھر پر کوئی موجود نہیں ہے۔ عمر ہی ایسی تھی اپنے جنون کے سامنے کچھ دکھائی یا سنائی نہیں دیتا تھا۔ بہت

محتاط ہو کر وہ یہاں آیا تھا۔ اس کے دوست اور گارڈ باہر ہر جگہ پہرے پر تھے۔ دور دور تک کوئی ان کے گھر کے آس پاس موجود نہیں تھا۔ اسی لیے اطمینان تھا کہ محبوب کے درشن اور حسین ملاقات کی چند گھڑیاں بڑے سکون سے کاسہ دل میں آن گریں گے۔ تبھی بلا جھجھک کچن میں داخل ہوا تھا۔

انھیں مزید کچھ اور سوچنے کا تکلف نہیں کرنا پڑا جب وہ اپنے سیاہ ٹراوزر کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ڈارک براؤن شرٹ پہنے بڑے اطمینان سے کچن میں یوں

داخل ہوا جیسے اسی کی دعوت کا اہتمام تو وہ دونوں کر رہی تھیں۔

تم سوچ سوچ کر اتنا پاگل مت ہو حرم، میں تمھیں" بتانے ہی آیا ہوں کہ میں وہ سب تمھارے لیے کیوں کر رہا ہوں۔" اس نے اطمینان سے کہتے ان دونوں کے زرد پڑتے چہرے دیکھے جو خوف و دہشت کے باعث رنگ بدل چکے تھے۔

آپ، آپ پھر یہاں آ گئے، لیکن اب میں آپ سے" "نہیں ڈرتی، یہ میرا گھر ہے، آپ جائیں یہاں سے۔

جانے کہاں سے آئی تھی حرم میں اتنی ہمت کہ وہ چیخ کر بولی تھی۔ اس نے سر دھلتے اس کی ہمت کو جیسے داد دی تھی۔ مہر تو ہق دق اس شخص کے بدلے بدلے سے آؤ سبھاؤ اور تاثرات ہی دیکھ کر حیران رہ گئی۔

میں تنہائی میں تم سے بہت ضروری بات کرنا چاہتا" ہوں، اس نے کسی بھی بات کی پرواہ کیے بغیر حرم کو دیکھتے اپنا مدعا بیان کیا تو دونوں کی سانس سینے میں

اٹک گئی۔ جبکہ جازم کی بہکتی مچلتی وارفتہ نگاہیں محبوب کے نازک سے سراپے کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ وہ اس وقت اورنج پرنٹڈ فراک ٹراؤزر میں کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔ وہ مبہوت سے دنیا بھلائے اسے دیکھے گیا۔

"لیکن مجھے آپ سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں کرنی۔" حرم نے اب جھجھکتے مگر بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔

"لیکن میں جو کہنے آیا ہوں آج کہہ کر رہوں گا، اپنی بات کہے بغیر یہاں سے جاؤں گا بھی نہیں۔" کندھے

اچکا کر لاپروائی سے کہتے وہ سامنے پڑے موڑھے پر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ "اب آپ باہر تشریف لے جائیں گی یا دوبارا کہوں۔" اس نے مہر سے کہا تو سبکی کے احساس سے مہر کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ مگر حرم نے اس کا بازو اپنے ہاتھوں میں دبوچے رکھا۔

جو کہنا ہے اس کے سامنے کہہ سکتے ہیں، یہ کہیں" نہیں جائے گی۔" اب کی بار حرم نے تنک کر کہا تھا۔

"حرم معراج میں یعنی جازم جہانگیر شیرداد تم سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، تو بتاؤ اپنے ماں باپ کو کب بھیجوں تمہارے گھر؟" اس نے اطمینان سے کہتے حرم کے سر پر دھماکا کیا جبکہ اس جان لیوا انکشاف پر وہ سن سی کھڑی تھی۔ مہر بھی یوں تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں ۔ ان دونوں کی سانسیں سینے میں اٹک چکیں تھیں۔ حرم کا زرد چہرہ خوف و دہشت کی شدت سے سرخ پڑ گیا تھا۔ وہ سامنے نگاہوں میں دنیا جہان کا

شوق آباد کیے اسے گہری نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا۔

"سوچ کے جواب دے دینا، کوئی جلدی نہیں ہے، کل تک کا وقت لے لو۔" اس نے جیسے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے حاتم طائی کی قبر پر لات ماری۔

"یہ میری دوست سے یقیناً کوئی بھدا مزاق کیا ہے آپ نے، یا کوئی بدلے وغیرہ کا چکر۔" مہر نے سنبھلتے ہوئے آئبرو آچکا کر کہا تھا۔

"اگر یہ بدلے وغیرہ کا چکر ہوتا تو میں یہاں نہیں، یہ میرے ڈیرے پر ہوتی۔" وہ جو ہر وقت آگ اگلتا رہتا تھا آج اس کی آواز کا دھیما پن بہتے پرسکون جھرنے کی مانند تھا لیکن الفاظ اتنے ہی زہریلے کہ حرم کا وجود سنسنا اٹھا۔ اور اب وہ ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں جھانکتا اسی سے مخاطب تھا۔

"مجھے مزاق تو ان جذبات نے مجھ سے کیا ہے کہ مجھے کسی قابل نہیں چھوڑا میں جو کسی کو آدھی نگاہ اٹھا کر دیکھنے کا بھی روادار نہیں تھا اب دل کرتا ہے بس

تمھیں سامنے بٹھا کر ہر وقت دیکھتا ہی رہوں، تمھارے قریب آؤں بہت قریب۔" اس کے بے باک الفاظ اپنی حدود پار کرنے لگی تو حرم کا جی متلانے لگا۔

"آپ جائیے یہاں سے، خدا کے لیے چلے جائیں۔"

اس کا دل کیا اپنے اوپر چڑھایا ضبط کا خول اتار پھینکے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔

"پریشان مت ہو، آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔" اس نے حرم کو تسلی دی تھی۔ خود وہاں سے ٹس سے مس نا ہوا۔

چلو مہر ہم ہی یہاں سے چلتے ہیں۔" وہ دانت کچکچا
کر بولی اور مہر کا ہاتھ تھام کر دروازے کی جانب
بڑھی۔ وہ بیٹھا پراسرار سا مسکرائے گیا۔ جیسے ہی مہر
نے کچن کا دروازا پار کیا۔ جازم نے بجلی کی سی رفتار
سے اٹھ کر دروازہ بند کرتے لاک لگایا۔ وہ جو اس
اچانک افتاد پر بری طرح اچھلی تھی دروازے سے پشت
لگائی تو جازم نے مسکراتے اس کے دائیں بائیں اپنے
ہاتھ رکھتے اس کے بچ نکلنے کا راستہ مسدود کیا۔

باہر مہر تڑپ اٹھی تھی اسی لیے مسلسل دروازہ بجائے گئی۔

"وہ، مجھے دیں جانے ،ہٹیں پیچھے ،ہے بیہودگی کیا یہ غرائی تھی۔ مگر اندر کہیں دل سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا۔

"ساتھ ؟،کیا ہے بنی پلاؤ ،ہے رہی آ خوشبو اچھی بہت میں رائتہ اور سلاد بھی ہو تو مزہ آ جائے، ویسے میں بہت خوش خوراک ہوں، میری بیوی میں کوئی اور خوبی ہو نا ہو، لیکن اسے کھانا بہت اچھا پکانا آنا چاہیے، بس

اس کے علاؤہ اور کچھ نہیں چاہیے۔" اس نے کہتے حرم کے تپتے ہوئے سرخ چہرے پر ہلکے سے پھونک ماری تھی۔ تب بے بسی کی انتہا تھی جب حرم کی گلابی گالوں پر آنسو بہہ نکلے تھے۔ تب وہ یہ آنسو دیکھ سنجیدہ ہوا تھا۔

انتخاب کرنا اتنا مشکل تو نہیں حرم،؟ میرے والدین" تمھارا رشتہ ہر صورت لے ہی لیں گے، میں تمھیں بہت آسانی سے حاصل کر لوں گا، لیکن چاہتا ہوں سب کچھ تمھاری رضامندی سے ہو، تم بھی مجھے پسند

کرو، مجھ سے محبت کرو۔" وہ نرمی و حلاوت بھرے لہجے میں کہتا ہاتھ آگے بڑھا کر اپنے انگوٹھے سے اس کے آنسو صاف کر گیا تھا۔

"میں آپ کو پسند نہیں کرتی نا کبھی کر سکتی ہوں، آپ بہت برے لگتے ہیں مجھے۔" وہ کہتی سسک پڑی تب وہ مسکرایا تھا۔

"میں تمھیں مجبور کر دوں گا کہ تم بھی مجھے پسند کرو اور مجھ سے محبت کرو۔" وہ اس سے اب تک بہت محبت اور نرمی سے پیش آ رہا تھا مگر اس کی اگلی بات

جازم کے سر پر قہر برپا کر گئی تھی۔ اس کے سر پر جنون سوار ہوا۔

"تب تک اگر مجھے زندگی انتخاب کرنے کا موقع دے تو قسم سے وہ آپ بلکل نہیں ہوں گے۔" (اس نے صاف الفاظ میں گھما کر اس واحد مجسم کو اس پر فوقیت دی تھی۔) اور جازم نے سیمنٹ کی سلیب پر پڑا شیشے کا جگ ایک دھماکے سے اس کے پاس دیوار پر پھوڑا تھا۔ حرم کے منہ سے ایک دل خراش چیخ برآمد

ہوئی۔ جازم نے اس کے دونوں بازو اپنی وحشی جان لیوا گرفت میں جکڑے تھے۔

میرا صبر اتنا ہی ازماؤ جتنا تم، شٹشٹ۔" وہ اپنا جملہ" مکمل نہیں کر پایا تھا۔ جب وہ بیہوش ہو کر زمین بوس ہونے والی تھی۔ جازم نے جلدی سے اس نازک سے پری پیکر وجود کو انتہائی نرمی اور احتیاط سے تھاما اور خود کو اپنے غصے کو اپنے اتنے جلد پیشنس کھو دینے کو بری طرح کوسا۔ وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے دروازہ

کھول کر باہر لایا تو مہر تب تک خود مرنے والی ہو چکی تھی۔

"میں کیا کیا آپ نے اس کے ساتھ، کیا ہوا اس کو، میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔" وہ حلق کے بل چلاتی اس پر جھپٹی تھی۔

"شٹ اپ، وہ بھی دھاڑا تھا۔ 'کچھ نہیں ہوا ہے، خوفزدہ ہو گئی ہے بس۔"

آج تک جس نے کسی کو کسی بات کی وضاحت نہیں دی تھی اب اسے دے رہا تھا۔ شور شرابے کی آواز سن کر عمر بھی اندر آ چکا تھا۔اور جازم کے بازوؤں میں اس چھوٹی سی لڑکی کا ڈھلکا سر دیکھ کر اس سر چکرا گیا تھا۔

"یہ پاگل بیغیرت آدمی کوئی نا کوئی تماشہ ضرور کروائے گا۔" وہ جازم جہانگیر شیرداد کو کوستا آگے بڑھا تھا۔

وہ مہر سے پوچھ کر اسے اس کے کمرے میں لایا تھا۔ اور نرمی سے پلنگ پر لٹا دیا۔ عمر اندر نہیں آیا تھا۔ مہر

نے حرم کا سر اپنی گود میں تھاما اور اس کا دوپٹہ اچھے سے درست کیا۔ اتنی دیر میں وہ کچن سے پانی لایا تھا۔ مہر نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو وہ ذرا سا کسمسائی اور ہوش میں آنے لگی۔

"یہ بلکل ٹھیک ہے، میں جا رہا ہوں، اسے کہنا فون آن رکھنا، میں رات کو کال کروں گا، وہ سنجیدگی سے کہتا وہاں رکا نہیں چلا گیا تھا۔ مہر گم صُم سی حرم کی حالت پر رنجیدہ تھی۔

وہ جب سے پوری طرح ہوش میں آئی تھی روئے جا رہی تھی۔

"حرم کیا ہوا یار، بتاتی کیوں نہیں؟ اچھا مجھے بتاؤ اس نے پھر سے تمھیں کہیں سے چھوا تھا۔" مہر نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو کیا ہوا ہے، کیوں رو رہی ہو؟"

کس کس بات پر نا رؤوں مہر، اس مصیبت کے سر "
پڑ جانے پر رؤوں یا ایسے دندناتے ہوئے میرے گھر
تک آ جانے پر، گندہ ہے وہ اور مجھے نفرت ہے اس
سے۔" وہ چیخ پڑی۔ مہر نے اپنا سر پکڑا۔

"پاگل ہو تم تو، وہ سچ بول کر گیا ہے، سکول میں آج
تک اس نے کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا
لڑکیاں مرتی ہیں اس پر، خود چل کر اس کے پاس
جاتی ہیں اور وہ صرف اور صرف تم تک چل کر آیا ہے
حرم، میں تمھاری جگہ ہوتی تو خود پر اپنی قسمت پر ناز

کرتی۔" اس کے لہجے میں حسرتیں لہریں لے رہی تھیں۔ حرم ششدر منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔

پاگل ہو گئی ہو مہر، اسے بولنے کی تمیز نہیں، لڑکیوں" کی عزت تک نہیں کرتا۔" حرم احتجاجاً تلملا اٹھی۔

ہاں تمہارے خیال میں وہ شہد سا میٹھا بن جائے تاکہ" لڑکیاں جو مکھیوں کی طرح اس کے گرد بھنبھناتی ہیں اسے گڑ سمجھ کر اس پر چپک جائیں، پاگل لڑکی، وہ روڈ ہے تو لڑکیوں اس سے دور جاتی ہیں نہیں تو پھر تمہارے جیسی نے ہی کہنا تھا کتنا دل پھینک اور بھنورا

صفت آدمی ہے کبھی کسی ڈالی پر تو کبھی کسی۔" مہر نے اطمینان سے کہتے حرم کا سارا اطمینان غارت کیا تبھی وہ منہ کھولے اس کی جانب دیکھے گئی۔

سچ کہہ رہی ہوں حرم وہ صرف تم سے محبت کرتا ہے۔" مہر نے پھر سے اس کے کانوں میں ایک عجیب سی بات کی تو اسے جھرجھری سی آئی۔

مجھے اعتبار نہیں۔" اس نے حتمی لہجے میں کیا۔"

وہ دِلا دے گا یقین۔" مہر نے آہستگی سے کہا تو وہ بری طرح چونکی۔

"کیا مطلب ہے؟"

"وہ کہہ رہا تھا فون آن رکھنا وہ رات کو کال کرے گا۔" مہر نے اس کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ بدک گئی۔

"میں فون کو چولہے میں ڈال دوں گی۔" وہ غرائی تو مہر نے اپنا سر تھاما۔ جازم جہانگیر شیرداد کی دال یہاں گلتی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

آؤ، آؤ دانش خان، میرے دوست، ملتے ہی کلیجے میں ٹھنڈ ڈال دیتے ہو یار، جہانگیر شیرداد (جو اس وقت اپنے ڈیرے پر موجود تھے) نے اپنے جگری دوست کو اپنے سینے میں بھینچا تھا۔ وہ نیلی آنکھوں والا پٹھان مسکرا دیا۔ دوستی برسوں پرانی تھی اسی لیے بہت گہری تھی۔

جب جہانگیر شیرداد کے بڑے بیٹے کا حادثہ ہوا تب دانش خان نے بھائی بن کر اس کی ہمت بندھائی تھی۔ تبھی جہانگیر شیرداد نے دانش خان کی اکلوتی

چھوٹی سی گڑیا اس سے اپنے بیٹے کے لیے جھولی پھیلا کر بڑی عاجزی سے مانگ لی تھی۔ اور دانش خان نے جس نے پہلے اپنے قبیلے سے بغاوت کرتے خود پنجابی لڑکی زارا سے شادی کی تھی اب بھی اپنے پٹھان خاندان سے بغاوت کرتے اپنی بیٹی جہانگیر شیرداد کی جھولی میں ڈال دی۔ وہ نکاح شہر میں بڑے خفیہ انداز میں ہوا تھا۔ کیونکہ جہانگیر شیرداد جو کہ دس گاؤں کے سردار ہوتے ہوئے بھی شرافت و نجابت سے زندگی گزار رہے تھے ان کے بھی حاسد دشمنوں کی کوئی کمی

نہیں تھی۔ اور دانش خان کے خاندان والے بھی بچی

کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے تھے۔ برسوں تک

اس نکاح کو یوں خفیہ رکھا گیا تھا کہ کسی کو معلوم

نہیں تھا جہانگیر شیرداد کا سمدھی کون ہے اور نا دانش

خان نے اپنے خاندان والوں کو بتایا تھا کہ بیٹی کس

خاندان میں دی ہے۔ دونوں جہانگیر شیرداد کے ڈیرے

پر مل لیا کرتے تھے۔ اب بھی دانش خان جہانگیر

شیرداد سے ملنے آیا تھا۔

اور سناؤ یار میری بچی 'حرم معراج' کیسی ہے، میں" جلد اپنے بیٹے کی امانت تم سے لینے آ رہا ہوں دانش خان دل گردا بڑا کر کے رکھنا اپنی اکلوتی گڑیا میری جھولی میں ڈالنے کے لیے۔" جہانگیر شیرداد نے مسکرا کر کہا تو اس خیال سے ہی دانش خان کے چہرے پر اداسی سی چھا گئی لیکن فورا سر جھٹکا۔

"او بس کرو لالا، میں اپنی مہرو گڑیا تمھیں نہیں دوں گا، تم جازم کبیر بیٹے کو ہمارے گھر بھیج دینا۔" دانش

خان نے ہلکے پھلکے انداز میں جہانگیر کو چھیڑا تو وہ ہنس دیئے۔

بس تو تم کرو دانش خان، میری بچی کا نام بگاڑ دیا ہے تم نے، اتنا خوبصورت نام ہے حرم معراج، وہ پکارا کرو۔" جہانگیر شیرداد نے ملازم سے تھام کر خود دانش خان کے ہاتھ میں چائے تھمائی تو وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

لالہ میری والدہ کا نام معراج خانم تھا پیار سے ان کو" مہرو بولتے تھے، حرم بلکل اپنی دادی پر گئی ہے تو اسی

وجہ سے اسے گھر میں مہرو پکارتے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیتا ہوں۔" دانش خان نے آج حرم کو مہرو پکارنے کی وجہ جہانگیر شیرداد کو بتائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"تمھیں ایک خاص بات بتانی ہے دانش خان، میرے بیٹے نے لاکھ ایڑھی لگائی کے اس نے اسلام آباد کی بڑی یونیورسٹی میں پڑھنا ہے لیکن میں نے اسے جان بوجھ کر اپنے علاقے کے کالج میں بھیجا اور میرا مقصد دیکھو پورا ہوا کہ وہ بے نتھا بیل جو اپنے باپ کے قابو نہیں آرہا تھا وہ اپنی چھوٹی سی بیوی کے قابو آگیا

ہے۔" جہانگیر شیر دار نے پراسراریت سے مسکراتے

دانش خان کو دیکھا تو وہ چونک گیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کی بات کا، میں سمجھا نہیں۔"

میرا بیٹا اپنے سکول میں کسی لڑکی کے عشق میں"

پاگل ہو گیا ہے دانش خان، اور جانتے ہو وہ بچی کون

ہے؟" جہانگیر شیرداد نے معنی خیزی سے کہا۔

وہ حرم معراج ہے، اپنی مہرو؟" دانش خان کو خوشگوار"

ترین حیرت ہوئی تھی۔ کہ دانش خان اچھی طرح جانتا

تھا کہ ان کا داماد اپنے بھائی کے ٹروما کی وجہ سے

ہر لڑکی سے نفرت کرتا ہے۔ وہ تو یہ رخصتی بھی اسی

وقت کرنا چاہتا تھا جب اسے اس بات کا یقین ہو جاتا

کہ جازم ان کی بچی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا

لیکن اب یہ بات سن کر اسے یک گونہ بہت سکون

ملا تھا۔

بلکل، اسے لگتا ہے اس کا باپ جھک مار کر اتنے"

گاؤں کا سردار بنا ہے، اسے یہ نہیں پتا اس کے پل

پل کی روپوٹ ہے مجھے میرا آدمی سانول ہر لمحہ سے

باخبر رکھے ہوئے ہے، وہ نہیں جانتا وہ اپنی ہی بیوی کا

عاشق بنا پھر رہا ہے، بلکل مجنوں جیسی حالت ہو گئی

ہے میرے بیٹے کی، اور وہ جو اپنی بیوی کو نقصان

پہنچانے کو اسے ڈھونڈ رہا تھا نہیں جانتا اب اس کے

ایک آنسو پر تڑپ اٹھتا ہے، میری بچی اس کی حرکتوں

کی وجہ سے بے حد پریشان ہے

جہانگیر شیرداد بے تحاشا ہنستے ہوئے دانش خان کو یہ

بات بتا رہے تھے۔ جبکہ اس بات پر دانش بھی ہنس

دیا تھا۔

بڑے ہی کوئی فضول انسان ہو بھئی، کون سی دشمنی"
نکال رہے ہو ہمارے بیٹے سے۔" دانش خان کو جازم
کبیر کی کھینچ لگی تھی تبھی تڑپ گیا۔

"بڑا ناک میں دم کر رکھا تھا یار اس نے، اس کی
حالت دیکھ کر تو میں بھی پریشان تھا کہ کہیں اپنی
معصوم بچی کے ساتھ نا انصافی تو نہیں کر دی، کہیں
وہ بچی کے ساتھ بدسلوکی تو نہیں کرے گا، لیکن اب
مطمئن ہوں اور بے تحاشا خوش بھی، اور یہ جان کر کہ
وہ اپنی ہی بیوی کے عشق میں پاگل ہوا پھر رہا ہے

دیکھنا وہ کتنا خوش ہوگا سچائی جان کر، یہ اس کے لیے سرپرائز ہے جو اسے رخصتی پر دینا ہے۔" جہانگیر شیرداد آسودگی سے مسکرائے تھے۔

آپ کو نہیں لگتا آپ کو جازم بیٹے کو بتا دینا" چاہیے۔" دانش اس بات کے حق میں نظر نہیں آرہا تھا۔

"نہیں ابھی نہیں، میں مناسب وقت پر بتا دوں گا، کہ تم یہ چاہتے ہو دانش خان کے وہ سر پھرا عاشق بچی

کو پکے پیپر بھی نا دینے دے۔" جہانگیر شیرداد نے اب کی بار دانش خان کو چھیڑا تھا تو وہ ہنس دیا۔

"نہیں نہیں لالہ، میں چاہتا ہوں میری گڑیا کم از کم دسویں کے پیپر دے لے، اس کے بعد رخصتی کا سوچیئے گا۔"

"چلو پھر، دیکھتے ہیں آگے کیا کرنا ہے فی الحال تو تمہارے لیے باہر باربی کیو کا انتظام کیا ہے۔" جہانگیر شیرداد نے دانش خان کو ہمراہ لیا اور باہر کی جانب چل دیئے۔

یہ رات اس پر بہت بھاری تھی۔ وہ اس کی باہوں میں بیہوش ہوئی تھی اسے کسی کروٹ سکون نہیں تھا یہ سوچ کر کے وہ اب کیسی تھی۔ اس کی طبیعت سنبھلی بھی تھی کہ نہیں۔ کچھ اپنی حالت سے پریشان تھا تبھی اس نے فون اٹھا کر کال ملائی لیکن نمبر بند جا رہا تھا۔ اس کا دل کیا دیوار میں سر دے مارے۔ لیکن وہ بھی اپنے نام کا جازم جہانگیر شیرداد تھا ہار

کہاں ماننے والا تھا۔ اسی لیے فون اٹھا کر کمرے سے باہر نکلا تھا۔

وہ جتنی حراساں ہو چکی تھی رات کے کھانے کے بعد اب ماں کے پہلو میں دبکی ہوئی گہری نیند سو رہی تھی جب اس کے بابا گھر آئے تھے۔

مہرو، میری بچی۔" دانش خان نے جھک کر اپنی" گلابی سی گڑیا کے ماتھے پر بوسہ لیا تو وہ ہمیشہ کی طرح

نیند میں بھی مسکرا دی تھی۔ زارا خاتون جو اس پر آیت

الکرسی پڑھ کر دم کر رہی تھیں وہ بھی مسکرا دی۔

"پتہ نہیں کیوں، آج بار بار ڈر رہی ہے یہ، اپنے

کمرے میں بھی نہیں جا رہی۔" زارا نے دانش کو کہا تو

دانش خان نے ایک گہری سانس اپنے اندر کھینچی۔

"ایک جن کا سایہ ہو گیا ہے ہماری بچی پر۔" دانش

خان نے پھر گہری سانس بھرتے کہا۔

"آ ئے ہائے، اللہ نا کرے، کیسی بدفعال نکال رہے ہیں منہ سے، زارا خاتون ہمیشہ کی طرح دہل گئیں تو دانش خان ہنس دیا۔ پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں بیوی کو بعد میں تفصیل بتانے کا اشارہ کیا۔

"حرم، میری لاڈلی دھی" دانش نے پھر پکارا تو اس نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔

"بابا، آپ آ گئے، لیکن مجھے نیند آ رہی ہے، مجھے سونا ہے۔" اس نے بچوں کی طرح منہ بسورتے ماں کے پہلو میں منہ گھسیڑ لیا۔ دانش خان اور زارا مسکرا دیئے۔

اور میرا جگر گوشہ یہ نہیں دیکھے گا کہ بابا اس کے" لیے کیا لائے ہیں۔" دانش خان نے اس کے کان میں میٹھی سی سرگوشی کی اور پدرانہ شفقت سے چور ہو کر پھر سے اس کا ماتھا چوما۔

کیا لائے ہیں؟" اس نے اپنے دوپٹے میں سے ایک" آنکھ باہر نکالی۔

شیر انکل سے ملنے گیا تھا انھوں نے میری گڑیا کے" لیے ڈھیر ساری چاکلیٹ، تحفے اور یہ باربی کیو کا پورا پیک بھیجا ہے۔" دانش خان نے بڑے بڑے سے

شاپنگ بیگ پلنگ پر رکھے تو وہ چاکلیٹ کے نام پر اچھل کر اٹھ بیٹھی۔ وہ شیر انکل جن سے وہ ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی غائبانہ ہی متعارف تھی ان کی ، بہت بڑی فین تھی کہ وہ ہر بار اس کے لیے چیزوں کھلونوں اور اب کپڑے جوتوں اور چاکلیٹس کے ڈھیر کے ڈھیر بھیجا کرتے تھے۔

زارا خاتون کھانا گرم کرنے کو اٹھ گئیں تھیں۔ دانش خان اپنی گڑیا سے باتوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ جو ایک ریپر کھول کر اب چاکلیٹ کھا رہی تھی تبھی دانش

خان کا فون گنگنا اٹھا۔ دانش خان نے وقت دیکھا۔
رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ سامنے سے نسوانی آواز
سنائی دی تھی۔

"انکل، میں حرم کی دوست بات کر رہی ہوں، اس کا
نمبر بند ہے، خدا کے لیے اسے کہیں اپنا نمبر آن
کرے، میں نے اس سے فزکس کے ضروری سوال
پوچھنے ہیں اتنے ضروری نا ہوتے تو کبھی آپ کو فون
نہیں کرتی۔"

آپ مہر النساء بیٹی ہو۔" دانش خان نے سنجیدگی سے "
پوچھا تو سامنے والی بری طرح گڑبڑائی تھی۔

نہیں انکل، میں تو عائشہ بات کر رہی ہوں۔" سامنے "
والی نے سنبھل کر کہا تھا۔ جبکہ اپنے بابا کے منہ سے
مہر کا نام سن کر وہ چونک گئی۔

اچھا یہ لو خود بات کر لو۔" دانش خان نے کہتے حرم "
کو فون تھمایا جو اس نے نا سمجھی سے تھام کر اپنے
کان کو لگا لیا لیکن

ہیلو۔" حرم نے چاکلیٹ کھاتے آہستگی سے کہا۔ اور" اس سے اگلا لمحہ حرم کے لیے کافی بھاری ثابت ہوا تھا جب فون میں سے ایک بھاری ، پراسرار گھمبیر پھنکارتی آواز سنائی دی تو چاکلیٹ اس کے حلق میں پھنس گئی۔

حرم معراج، اپنا فون آن کرو نہیں تو قسم خدا کی ابھی" "تمھارے گھر آ جاؤں گا۔

حرم کے گلے میں پھندا سا لگ گیا اسی لئے کھانستے کچھ کہنے کی بجائے بہانے سے فون بند کر دیا۔ اس پاگل

شخص کے پاس اس کے بابا کا بھی نمبر تھا؟ دانش خان نے پریشان ہوتے اسے پانی پلایا تو وہ سنبھلی۔

جازم رات کے گیارہ بجے کچن سمیٹتی ملازمہ کے سر پر جا پہنچا۔ وہ اسے اپنے سامنے پا کر خوفزدہ ہوئی تھی۔ لیکن پھر جازم نے اسے اپنے طریقے سے ساری بات سمجھائی اور اپنے فون سے ایک نمبر پر فون کرنے کو کہا جو کہ اس نے سکول پرنسپل آفس سے بڑی مشکل سے حاصل کیا تھا۔

لیکن چھوٹے سردار، میرے پاس بیلنس نہیں

ہے۔" وہ از حد شرمندہ تھی۔

کوئی بات نہیں، پی ٹی سی ایل سے کرو۔" اس نے

بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔ پھر ملازمہ نے حرم کے بابا

کو وہی کہا جو جازم نے اس سے کہنے کو بولا۔ حرم کے

بابا نے فون اسے پکڑایا تو ملازمہ نے جلدی سے فون

جازم کو پکڑا دیا۔ جازم نے ساتھ ہی ملازمہ کو جانے کا

اشارہ کیا تو وہ فورا وہاں سے نکل گئی۔ اس نے حرم کو

دھمکی دی تھی۔ لیکن اس نے بڑی دیدہ دلیری کا

مظاہرہ کرتے کال کاٹ دی۔ تب سے وہ اپنے کمرے میں اس کے فون آن ہونے کا انتظار کرتا مسلسل کالز ملا رہا تھا۔ اسے بہر حال اتنا تو یقین تھا کہ اس کی دھمکی خالی نہیں جائے گی وہ فون ضرور ان کرے گی جو کہ وہ کر چکی تھی۔

"آرام سے میرا بچہ، سب تمھاری ہیں کوئی پیچھے تو نہیں لگا ہوا۔" دانش خان نے اس کی پشت سہلائی۔

"نہیں بابا، وہ بس ایسے ہی۔" اس کی آنکھیں اپنی بے بسی پر تیزی سے نم ہوئیں تھیں۔ لیکن بابا کے سامنے مسکرا دی۔

"موبائل آف کیوں کیا ہے؟ تمھاری سہیلی نے کوئی سبق پوچھنا ہے تو بتا دو نا بیٹا۔" دانش خان نے مصروف سے انداز میں کہا۔ ایسا شک تو گزرا تھا کہ آنے والی کال حویلی کا نمبر ہے لیکن کنفرم بھی نہیں تھا۔

بتا دوں گی بابا۔" اس نے مریل سی آواز میں کہا۔"

جب ماں کھانا لائی تو چند نوالے پھنس پھنس کر گلے

سے نیچے اترے۔

بابا میں نے پلاؤ کھالی تھی ناں۔" جب دانش خان"

نے سیخ کباب کا نوالہ اس کے منہ میں ڈالنے کی

کوشش کی تو وہ روہانسی ہو گئی۔

ہمم چوزے کی طرح پلیٹ سے دانے چگے تھے اور"

اب بھی اتنا نخرہ، مہرو کے بابا آپ نے اسے بہت سر

پر چڑھا لیا ہے، دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے میں

پوچھتی ہوں آگے جا کر کیا کرے گی یہ۔" زارا خاتون

ہمیشہ کی طرح اس کی گوشمالی کرنے وہیں بیٹھ

گئیں۔ حرم نے منہ بنایا۔

"اچھا کچھ نہیں ہوگا، جاؤ میرا بچہ، جا کر آرام کرو۔"

دانش خان نے ہمیشہ کی طرح اپنی لاڈلی کو منظر سے

غائب کرنے میں ہی عافیت سمجھی تھی۔

بابا مجھے ادھر ہی سونا ہے۔" وہ آج کافی دنوں بعد"

ایسی ضد کر رہی تھی لیکن زارا خاتون نے اسے نرمی

سے سمجھایا۔

مہرو، تمہارے بابا تھکے ہوئے ہیں، آرام کریں گے، تم بھی جاؤ میرا بچہ آرام کرو۔" ماں کے سمجھانے پر ناچار اسے اپنے کمرے میں آنا ہی پڑا۔ کمرے میں آ کر سب سے پہلے لاک اور پھر چٹخنی لگانا نہیں بھولی تھی۔

وہ بہت شوق سے شیر انکل کا بھیجا گیا سامان شاپنگ بیگز سے نکال نکال کر دیکھ رہی تھی۔ لیکن دفعتاً ایک بھیڑیے جیسی غراہٹ دماغ میں گونجی تو دل ایک مرتبہ پھر فگار ہونے لگا۔ اس نے چور نگاہوں سے فون

کو دیکھا جو اس کے رائٹنگ ٹیبل پر بند پڑا تھا۔ (اگر وہ سچ مچ پھر سے یہاں آ گیا تو؟) اس سے آگے وہ سوچ نا سکی اور آگے بڑھ کر جلدی سے فون آن کیا۔ سامنے والا تو جیسے فون پر ہی بیٹھا تھا فون آن ہوتے ہی پھر سے مسلسل اس کی کالز آنے لگی تھیں۔

حرم کا دل کیا دیوار میں سر دے مارے۔ اپنے پلنگ پر بیٹھی اور وائبریٹ ہوتے فون کو بے بسی سے گھورے گئی۔ ایک کال ہی تو ہے کون سا فون میں سے نکل کر وہ کھا جائے گا۔ آخر اس نے گھری

سانس خارج کر کے فون اٹھایا اور کال ریسیو کر کے فون کان سے لگا لیا۔

اس نازک جان کی بے آواز سانسوں کی ردھم سنتے جازم نے تکیے کے بغیر بیڈ پر لیٹے آنکھیں موند کر ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

آپ۔" وہ بھیگی نم آواز میں چیختی جب وہ اسے بری" طرح ٹوک گیا۔

اگر تم روئے دھوئے بغیر چند پل مجھ سے ڈھنگ سے"

بات کر لو حرم تو میں جلد اور آسانی سے تمھاری جان

چھوڑ دوں گا۔" اس نے نرمی سے کہا تو وہ جو واقعی

رونے کی تیاری پکڑے ہوئے تھی اچانک دم سادھ

گئی۔

آخر کیا چاہتے ہیں آپ؟ حرم نے زچ ہوتے پوچھا تو"

ادھر اس کے عنابی لبوں کو گہری مسکراہٹ نے چھوا

تھا۔

میری چاہت صرف تم ہو حرم معراج، میں تمھیں "

چاہتا ہوں۔" گہری گھمبیر آواز حرم کے ہتھیلیاں تیزی

سے نم ہونے لگیں۔

جھوٹ بول رہے ہیں آپ، آپ نے شروع سے "

صرف مجھ سے نفرت کی، مجھے چوٹ پہنچائی۔" اسے

ایک دم شدید اشتعال نے آن گھیرا۔ یہ کیسی چاہت

تھی کہ وہ ہر بار اسے زلیل کر جاتا تھا۔ ادھر وہ اس

کی بدگمانی پر اذیت سے لب بھینچ گیا۔

ایک لڑکی کی بے وفائی نے میرے جوان بھائی کی
جان لے لی تھی حرم، خودکشی کرلی تھی اس نے، مجھے
تو لڑکیوں سے صرف نفرت کرنی تھی، لیکن جب تم سے
محبت ہونے لگی تو مجھے تم سے، اپنی اس محبت سے تو
کیا خود سے نفرت ہونے لگی، اسی لیے وہ سب کر بیٹھا،
آئم سوری حرم فار ایوری تھنگ۔" اس کی شائستہ ملائم
آواز روح کے تار ہلا دینے والی تھی مگر سامنے وہ تھی جو
اس سے حد سے زیادہ بدگمان تھی۔ وہ گم صُم سی اس
کے الفاظ سنے گئی۔

"میں تم سے ٹوٹ کر محبت کرتا ہوں،، اس کے لہجے کی گھمبیرتا حرم کو گھبرانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"مجھے اعتبار نہیں نا کبھی آ سکتا ہے،، اس کا لہجہ اب بھی بھیگا ہوا تھا۔

"کیوں نہیں،؟ وہ تڑپ اٹھا۔

"کیونکہ یہ فطری بات ہے کہ شروعات خوبصورت ہوتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی آ کر کہے ہیلو میں درندہ ہوں مجھ سے بچ کر رہنا، لیکن یہ آپ نے کہا تھا،پہلی

ملاقات میں، بھول گئے؟ حرم نے اس پر صاف الفاظ میں واضح کیا کہ اس کا فرسٹ امپریشن کیا بنا تھا اس پر۔

"وہ سب دوسری لڑکیوں کو کہا تھا تمھیں نہیں۔" وہ چالاک اپنی بات سے صاف مکر گیا۔

"آپ پھر دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں۔" حرم نے بے تاثر لہجے میں کہتے اسے باور کروایا کہ وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں ہے۔ ان باتوں کے درمیان اب وہ بلا خوف و جھجھکے اس سے واضح الفاظ میں بات کر

رہی تھی یہ بات جازم نے نوٹ کی تو دل کو راحت محسوس ہوئی۔

"میری محبت سچی ہے۔" اس نے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"اب آپ کیا چاہتے ہیں مجھ سے۔" حرم جھنجھلا اٹھی۔

"میں تمھاری پوری رضامندی سے تمھیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" جازم کے الفاظ پر حرم اندر سے کانپ اٹھی تھی۔ دل کانوں میں بجنے لگا۔

"پہلے تو جیسے دو مرتبہ میری رضامندی سے میرے گھر زبردستی آئے تھے آپ۔" حرم نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔

"تو میری جان گھر میں آنے اور زندگی میں آنے میں فرق ہوتا ہے ناں، جازم نے شہد آگیں لہجے میں کہتے اس کے چودہ طبق روشن کر دیئے جبکہ اس طرز تخاطب پر وہ لرز کر رہ گئی۔

"مجھے نہیں پتہ، میں کچھ نہیں جانتی، میری زندگی کا فیصلہ میرے بابا کریں گے، آپ خواہ مخواہ اپنا قیمتی وقت ضائع کر رہے ہیں۔" وہ جھٹپٹا گئی۔

"تو مطلب تم واضح الفاظ میں کہہ رہی ہو کہ تمھیں تم سے نہیں تمھارے بابا سے مانگ لوں۔" اس نے اس کی بات کے اپنے ہی معنی و مطالب نکالے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا آپ سے۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"پر میں نے تو یہی سنا، میں بہت جلد ماں بابا کے تمہارے گھر بھیجوں گا۔" اس نے کہتے حرم کے ہوش اڑا لئے۔

"میں فون رکھنے لگی ہوں اور اب آپ مجھے کال نہیں کریں گے۔" وہ تڑخ کر بولی تھی وہ گہرا مسکرا دیا۔

"مت رکھو ابھی، مجھے کچھ دیر اور یہ آواز سننی ہے، تم بول رہی ہو تو یوں لگ رہا یہیں کہیں آس پاس ہو۔"
جازم نے کہتے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور سچ مچ آنکھیں موندے اسے اپنے بے حد قریب محسوس کیا۔

ایسی فضول باتیں مجھ سے مت کریں آپ۔" وہ

ناراض ہوئی۔

"ایسی تشنگی اس سینے میں جاگی ہے کہ ایک لمحہ کا

سکون نہیں اس دل کو، اور تم کہہ رہی ہو اپنی بقیہ

بے قراریاں تمھیں نو بتاؤں۔" اس نے جیسے شکوہ کیا

تھا۔ وہ پل بھر کو چپ ہو گئی۔ پھر گھبرا کر فون کاٹ

دیا۔ حالت بہت عجیب تھی۔ دل عجیب طرح سے

دھڑکتا پسلیوں سے سر پٹخ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں کپکپانے

لگے۔

یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" وہ مرنے والی ہو گئی۔ اور" جلدی سے چادر اوڑھ کر لیتی سونے کی کوشش کرنے لگی۔ یہ اپنے اندر ہوتی عجیب سی ہلچل سے فرار کی ننھی سی کوشش تھی۔

ادھر فون بند ہوتے ہی سکون بھی کال کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ اس نے ٹھنڈی آہ بھری۔ اور بے قرار ہوتے تکیے میں منہ دے لیا۔

تین ماہ ہو چکے تھے جازم جہانگیر شیرداد کی محبت کو

پروان چڑھے۔ کہتے ہیں عشق مشق چھپائے نہیں

چھپتے سچ ہے کیونکہ اس کی محبت کی خوشبو جیسے

پورے کالج میں پھیل گئی تھی۔ اگر کوئی ٹس سے

مس نا ہوا تھا تو وہ اس کے والدین اور خود وہ جو اسے

اپنا دیوانہ بنا کر ان راہوں پہ تنہا چلا کر تڑپا رہی تھی۔

جازم نے اپنے ماں باپ سے کئی بار سر پٹخا کہ وہ اس

کی پسند کی لڑکی کا ان کے گھر رشتہ لے کر جائیں مگر

ہر بار وہ کوئی نا کوئی بہانا بنا دیتے جیسے ابھی اس کے بابا بول رہے تھے۔

آخر تمھیں اتنی جلدی کس بات کی ہے جازم، میں" وعدہ کرتا ہوں تمھاری پسند کی شادی تم سے ہی کرواؤں گا مگر وہ دوسرا معاملہ مجھے اپنے طریقے سے حل کر لینے دو، تم پریشان مت ہو اور اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔" وہ کہہ کر اسے پھر سے ٹال چکے تھے۔ انھوں نے اس کی بات کی نفی بھی نہیں کی تھی کہ وہ احتجاج کرتا سو

ابھی خود کو وقت اور قسمت کے دھارے پر چھوڑ رکھا تھا۔

ایک طرف سے وہ مطمئن تھا۔ کیونکہ وہ اسے اپنی محبت کا یقین دلا چکا تھا۔ یہ الگ بات ابھی حرم نے اس کی پیش قدمی کا کوئی ڈھنگ سے جواب نہیں دیا تھا۔ مگر وہ تین ماہ سے روز اس کے لیے چاکلیٹ یا کوئی چھوٹا موٹا تحفہ بھیجتا تو شروع میں تو اس نے صاف انکار کیا مگر پھر آہستہ آہستہ وہ اس کے دیئے یہ تحفے قبول کرنے لگی جس کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ وہ اس

کی محبت بھی قبول کر چکی ہے۔ جازم جہانگیر شیرداد کو

اپنے آس پاس موجود پا کر اس کے شہابی چہرے پر

ایک شرمگیں سی مسکراہٹ گلاب کی طرح کھل جاتی۔

کبھی کبھار وہ فون کرتا تو وہ بات کر لیتی نہیں تو اکثر

ناراضگی کا اظہار کر دیتی۔ سکول میں اکثر وہ اس کی

راہوں میں آتا تو گھبرا جاتی لیکن پہلے جیسا خوف نہیں

تھا بلکہ یہ شرم و جھجھک والی گھبراہٹ تھی جو اس پر

طاری ہو جاتی۔ مہر سمیت سب کو یہ علم تھا کہ وہ

اس کی پرواہ کرنے لگی ہے لیکن پھر ایک دن سب

بدل گیا اور جازم جہانگیر شیرداد کے سر پر قیامت ٹوٹ

پڑی۔

"بابا یہ سب کیا ہے۔" اس کے ماں بابا کے کمرے

میں بستروں ، برتنوں اور گھر کی اہم چیزوں کا بلکل نیا

سامان کا ڈھیر لگا ہوا تھا تو وہ حیران ہوتی ان سے پوچھ

بیٹھی۔

"میرا جگر گوشہ دلہن بن کر میرے گھر سے رخصت ہونے والا ہے، اسی لیے اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔" دانش خان نے کہتے اس کے سینے میں اس کی سانس اٹکائی۔

"کک، کیا مطلب بابا۔" اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑ گئیں تھیں۔ دانش خان نے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کیا۔

"میری گڑیا آج میں تمھیں تمھاری زندگی کی سب سے بڑی سچائی، سب سے بڑی حقیقت بتانے والا ہوں،

میں چاہتا ہوں جب وقت آئے تو میری لاڈو ذہنی طور پر بلکل تیار ہو، بیٹا میں نے تمھارا نکاح بہت پہلے شیر انکل کے بیٹے کے ساتھ کر دیا تھا، اسی لیے تو وہ میری دھی کو اتنا پیار کرتے ہیں، کیونکہ تم ان کے بیٹے کی امانت ہو میرے پاس، وہ بہت جلد تمھیں لینے آ رہے ہیں میرا بچہ۔" دانش خان نے کہتے ہمیشہ کی طرح اس کا ماتھا چوما۔

بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حرم کو لگا اس کی" روح کے بخیے ادھڑ گئے ہیں یا دل کے ہزار ٹکڑے ہو

گئے ہیں اسے پتہ نا چلا۔ وہ پل میں ایسے سفید پڑ گئی

جیسے بدن میں لہو کا ایک قطرہ بھی نا ہو۔ دانش خان

پریشان ہوا۔

"میری لاڈو، اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات

ہے تم دور تھوڑی جاؤ گی مجھ سے، میں ہمیشہ اپنے

بچے کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھوں گا اور ویسے بھی

شیر انکل مجھ سے زیادہ پیار کریں گے میری بچی کو اور

پھر میری گڑیا کا گڈا بھی تو مجھ سے زیادہ خیال رکھے

گا تمھارا۔" وہ نرمی سے اسے سمجھا رہے تھے۔ دانش

خان انتظار کرتا رہا کہ وہ اپنے دلھے کا نام پوچھے گی مگر وہ گم صُم نگاہیں جھکائے ہلکے سے کپکپاتی رہی تو دانش خان نے مسکراتے اسے سینے سے لگا لیا۔

"میرا گوشہ اپنے دلھے کا نام نہیں پوچھے گا، دانش" نے اس کے کان میں دھیمی سی سرگوشی کی تو اس نے مزید سر جھکا لیا۔ "میں تو اسے پیار سے 'کبیر' بلاتا ہوں۔" دانش خان کچھ اور بھی کہہ رہے تھے مگر اسے سنائی نہیں دیا تھا۔ وہ اسے کچھ دکھا رہے تھے مگر

آنسوؤں کی دھند ایسی چھائی کہ وہ کچھ دیکھ ہی نہیں پائی۔

وہ چپکے سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہ کیا ہوا تھا؟ ابھی ابھی تو دل نے دھڑکنا سیکھا تھا یہ کون تھا جس نے اس کی دھڑکن پر کوئی سنگلاخ چٹان رکھ دی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دل کو کسی نے پیروں تلے کچل کر رکھ دیا ہو۔ کچی عمر کے نوخیز خواب آنکھوں سے کسی نے نوچ پھینکے ہوں۔ دل پر نقش وہ پہلا پہلا سا

نقش جیسے کسی نے کھروچ ڈالا تھا۔ دل میں درد سا اٹھا۔

اور وہ شخص۔ وہ زمین آسمان ایک کرے گا یا اس کے سر پر جانے کونسی قیامت ڈھائے گا اسے سوچ کر ہی جھرجھری سی آئی۔

اس کی سسکیاں ساری رات اندھیروں نے اپنی سیاہ چادر میں چھپا لیں تھیں۔

وہ اپنی کلاس میں بیٹھا تھا جب عمر اپنی سی شکل لے کر واپس آیا۔

کیا ہوا؟ ایسے منہ کیوں لٹکا رکھا ہے۔" جازم نے" اسے بغور دیکھا۔

یہ بھابھی نے واپس کر دی ہے کہ انھیں نہیں" چاہیے، اور کہا ہے کہ آئندہ تم اسے کوئی چیز بھیجنے کی ہمت مت کرنا۔" عمر نے سنجیدگی سے کہتے اس کے سامنے چاکلیٹ رکھتے جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچی۔

کیوں؟ کیا ہوا ہے اسے، کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

جازم نے پہلو بدلا اور لاکھ دماغ میں زور ڈالا مگر اسے اپنی ایسی کوئی خطا یاد نہیں آئی تھی جس کی بنیاد پر وہ اس سے یوں ناراض ہوتی۔

"اچھا چلو، کوئی مسئلہ نہیں، میں خود اس سے پوچھ لوں گا۔" اس نے لاپروائی سے کہا۔ لیکن ایسی کوئی نوبت آئی ہی نہیں۔ حرم نے اسے موقع ہی نہیں دیا وہ اس سے بات کر سکے۔ وہ اسے پوری طرح نظر انداز کیے جتنی جلدی ہو سکے سکول سے نکل گئی۔ فون بھی

بند کیے رکھا۔ اور اگلے دن بھی وہ اسے دیکھ کر ان دیکھا

کر گئی۔ نا چہرے پر وہ شرمگیں مسکراہٹ تھی نا

آنکھوں میں وہ حیا آلود سے جذبات۔ وہ تو سرد و سپاٹ

آنکھیں لیے کوئی پتھر کی مورت معلوم ہوئی تھی اس کا

یہ رویہ دیکھ جازم جہانگیر شیرداد کے دل کی دنیا جیسے

زلزلوں کی زد میں آئی تھی۔ اسے سمجھ نا آئی وہ کیا

کرے۔ اس نے حرم سے بات کرنے کی کوشش

کی۔ مگر بے سود۔ وہ اس سے بات کرنے کو تیار نہیں

تھی۔

اور پھر پورا ہفتہ اس آنکھ مچولی میں گزر گیا۔ تب جازم جہانگیر شیرداد کے ضبط کا شیرازہ بکھر کر چکنا چور ہوا تھا۔ وہ اس سے زیادہ پیشنس نہیں رکھ پایا تھا وہ اس سے زیادہ صبر کر بھی نہیں سکتا تھا۔ تبھی اپنا پرانا پینترا آزمایا۔ حرم کے گھر کوئی نہیں تھا جب وہ پرانے طریقے سے اس کے گھر میں داخل ہوا تھا۔

وہ گم صُم سی کاپر کلر کے شلوار قمیض میں دوپٹہ مخصوص سٹائل میں باندھے باڑے میں جھاڑو لگا رہی

تھی۔ جب ایک جانی پہچانی سی آہٹ محسوس کرتے

حرم کو لگا وہ اگلی سانس نہیں لے پائے گی۔ جھاڑو

چھوڑ جلدی سے کھڑے ہوتے اس نے اپنا دوپٹہ

کھول کر اچھے سے خود کو چھپایا تھا۔ وہ جو شعلہ جوالہ بنا

اس سے تمام اگلے پچھلے حساب برابر کرنے آیا تھا اب

آہستگی سے قدم قدم چلتا اس کی پشت پر آن رکا۔ حرم

کو سانس لینے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا لیکن

ہوش تو تب اڑے جب پشت پر کھڑے شخص نے

کمال جرات کا مظاہرہ کرتے اس کے دونوں بازو

آہستگی سے تھامے جھک کر اس کے کندھے پر

بے باک سی جسارت کی۔

جازم۔" وہ چیخ پڑی۔ اور تڑپ کر اس کی گرفت سے"

نکلنے کو مچلی۔ مگر وہ آہنی سی گرفت ایسی تھی جیسے کہ

شیر کے پنجے میں پھنسی ہرنی۔

اتنا مچل کیوں رہی ہو میری جان، تم تو صرف میری"

ہو ناں، وہ اس کے کان میں پھنکارا تھا۔ اتنے دنوں کا

غبار تھا حرم بری طرح رو پڑی۔

چھوڑیں مجھے۔" وہ چلائی تھی اور کمال مزاحمت کرتے اس کی گرفت سے نکلی مگر اس نے بھوکے شیر کی طرح جھپٹ کر اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لیا اور اسے تقریباً گھسیٹ کر اپنے ساتھ لے جانے لگا۔ وہ بری طرح روتی ہوئی اس کے ساتھ کسی بے جان گڑیا کی طرح گھسیٹتی چلی گئی۔ جازم نے اسے اس کے کمرے میں لا کر پلنگ پر تقریباً پٹخا تھا وہ کسی کانچ کی گڑیا کی طرح اوندھے منہ تکیے پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اب بتاؤ یہ کیا تماشہ لگا رکھا ہے؟ تم میرے ساتھ" ایسا کیوں کر رہی ہو؟ کیا کیا ہے میں نے؟ اپنے ہر فعل کی وضاحت دو گی تم مجھے، نہیں تو ابھی تو تم نے میری نرمی اور محبت دیکھی ہے حرم، میرا دیوانہ پن دیکھا ہی کہاں، میرے جنوں میری وحشتوں سے بے خبر ہو تم، کسی دن ذرا سی جھلک دکھا دی تو مر جاؤ گی تم،

وہ جلتی لال انگارا نم آنکھیں اور سرخ چہرہ لیے دھاڑا تھا۔

لیکن پھر اپنے آپ سے بھی زیادہ محبوب اس نرم و

نازک وجود کو یوں تڑپ تڑپ کر روتے دیکھا تو خاموش ہوا، رکا اور پھر تھم گیا۔ جازم نے اپنے بال مٹھیوں میں جکڑ کر گہرے سانس بھرتے اپنے طیش و اشتعال پر قابو پانے کی کوشش کی۔ آنکھیں سختی سے رگڑیں اور رائٹنگ ٹیبل پر پڑی کرسی پلنگ کے پاس کھسکائی۔

سیدھی ہو کر بات کرو۔" جازم نے کرسی پر بیٹھتے" بازو سے کھینچ کر اسے اٹھا کر بٹھایا اور اس کا رخ اپنی جانب کیا۔ اس کا گلابی چہرہ آنسو سے تر تھا۔ نا دوپٹے

کا ہوش تھا جو آدھا پلنگ اور آدھا زمین کو سلامی پیش

کر رہا تھا نا بالوں کا جو جوڑے سے کھل کر پوری کمر پر

بکھر چکے تھے۔ جازم نے ایک مرتبہ تو اپنا ماتھا مسلتے

اس کے وجود سے بری طرح اپنی نگاہیں چرائیں نیچے جھکا

اور اس کا دوپٹہ اٹھا کر اس کے کندھوں پر ڈالا۔

اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے، کوئی بھی بات ہے شئیر کرو"

مجھ سے، میں سن رہا ہوں۔" اس نے بے حد نرم لہجے

میں کہتے استفسار کیا اور کرسی پر پرسکون سا بیٹھ گیا۔

حرم جو بلک رہی تھی اس جنونی اور سرپھرے پر
حقیقت کھلنے کے خوف سے ہی زرد پڑ گئی۔ لیکن ایک
دن تو یہ وقت آنا ہی تھا۔

وہ، جازم، وہ میں ک، کچھ، میں۔" گھٹی گھٹی آواز میں"
وہ عجیب سے الفاظ کہتی اسے مزید پریشان کر گئی۔

جازم خاموشی سے اٹھا۔ کچن میں گیا اور اس کے لیے
پانی لایا۔ گلاس اسے دینے کی بجائے خود ہی اس کے
سرخ لبوں سے پانی کا گلاس لگایا تو وہ خشک ہوتے

گلے کو تر کرنے کو ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔ جازم نے گلاس سائیڈ پر رکھا۔

"اتنا خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو جو بات ہے کھل کر بتاؤ۔" جازم نے اس کی ہمت بندھائی۔

"جازم، میرا ن،نکاح ہو چکا ہے! وہ ب، بابا کے دوست کا بیٹا! اس کا نام کبیر۔" جملے ٹوٹے پھوٹے سہی لیکن جازم جہانگیر شیرداد پر پوری قیامت ڈھا چکے تھے۔

ہوش میں تو ہو، یہ مزاق ہے ناں؟ جانتی ہو ناں تم "
نے ابھی ابھی کیا بکواس کی ہے حرم؟ اس نے تیزی
سے اٹھتے اسے پچھلی گردن کے بالوں سے دبوچ کر
اپنے روبرو کیا تو حرم پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"اپنے الفاظ واپس لو حرم، نہیں تو آج میں تمھیں جان
سے مار ڈالوں گا" وہ ایک مرتبہ پھر دھاڑا تھا۔ حرم
نے سسکتے نفی میں سر ہلایا۔ جازم جہانگیر کو یوں لگا
جیسے اس پر کسی نے پیٹرول ڈال کر آگ لگا دی تھی
اسے اپنی ہستی آگ سے جلی راکھ میں بدلتی محسوس

ہوئی۔ وہ جیسے پوری طرح بے بس اور پاگل ہو چکا تھا تبھی اسے پوری شدت سے اپنی جانب کھینچا۔

جازم۔" ایک دلخراش چیخ کے ساتھ حرم نے اس" کے کندھوں پر ہاتھ جما کر اس کے اور اپنے بیچ ایک حد بندی قائم کرتے نفی میں سر ہلایا نہیں تو وہ اپنے دیوانے پن میں اس چھوٹی سی جان پر جانے کیا غضب ڈھانے والا تھا۔

،ایسا نہیں ہو سکتا حرم معراج تم صرف میری ہو" چاہے زمین آسمان ایک ہو جائے میں تمھیں ان سب

سے چھین لوں گا جو تمھیں مجھ سے چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں، میں کاظم جہانگیر شیرداد نہیں جو ناکام محبت کا جوگ لے کر مر جاؤں، میں جازم جہانگیر شیرداد ہوں جو اپنی محبت پہ حق قسمت کے حلق سے نکال لوں گا اگر پھر بھی تم میری نا ہوئی تو تمھیں مار کر ہی مروں گا، ایسے تو تمھاری مجھ سے جان نہیں چھوٹے گی۔" وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا۔ اس کے آنسص بھی لال انگارا آنکھوں سے نکل کر گالوں پر بہہ نکلے تھے۔

"کبھی میں نے آپ سے کوئی وعدے نہیں کیے، ہم
آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔" حرم نے سسکتے اپنے
ہر احساس و جذبات سے دستبرداری اختیار کی تو وہ
انتہائی تلخی سے مسکرایا تھا۔

"تمہارے حصے کے وہ وعدے تمہیں صرف اپنا بنانے
کے 'میں' جو اپنے دل سے کر بیٹھا ہوں حرم معراج،
میں تمہاری خود تک آنے والے رستے کی ہر رکاوٹ کو
جلا کر خاکستر کر دوں گا، وہ جو کوئی بھی ہے میرے
ہاتھوں دردناک موت مرے گا، اب تم صرف دیکھتی

جاو، میں کرتا کیا ہوں۔" وہ کہتے اسے پھر سے پلنگ پر دھکیلتے وہاں سے نکل گیا تھا۔ حرم کی جان لبوں پر آ گئی یہ سوچ کر کہ وہ اب جانے کیا قہر ڈھانے والا ہے۔

وہ یونہی تباہی بنا حویلی آیا تھا اور تمام حویلی کو اپنی جنون خیزی کی نذر کر دیا۔ اس کے باپ نے اسے بہت روکنے کی کوشش کی مگر اس کے سر پر جانے کونسا بھوت سوار تھا جو وہ کسی صورت قابو نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کہا اس کا نکاح ہو چکا ہے، یہ آپ کی"
غفلت اور ڈھیل تھی، شاید آپ یہی چاہتے تھے لیکن
میری بات کان کھول کر سن لیں دس گاؤں کے
سردار ہیں آپ؟ چاہے اس کی طلاق کروائیں یا میرے
دشمن کو قبر میں اتاریں، مجھے میری محبت چاہیے، اگر
اب بھی آپ نے کچھ نہیں کیا تو کاظم کی طرح مجھے
بھی ساری زندگی بیٹھ کر رو لیجئے گا۔" اس کی چنگھاڑتی
آواز پوری حویلی میں گونجی تھی۔ یونہی وہ طوفان بنا

حویلی سے بھی چلا گیا تھا۔ جہانگیر شیرداد نے اپنا سر تھام لیا۔

کیا بے وقوف ناہنجار اور الو کی پٹھی اولاد پیدا کی ہے"
میں نے۔" جھنجھلا کر کہتے وہ سر جھٹک گئے۔ اس کی حالت دیکھ کر شش و پنج میں ضرور مبتلا ہوئے تھے کہ آیا رخصتی تک انھیں یہ سرپرائز قائم بھی رکھنا چاہیے کہ نہیں۔۔

یہ یقیناً اس زلیل لڑکی کی وجہ سے بابا میرے ساتھ ایسا کر رہے ہیں۔ میری راہ کا کانٹا صرف وہ لڑکی ہے وہ کانٹا نکال کر ہی اب مجھے سکون ملے گا۔ ایک مرتبہ اپنی پسٹل کی ساری گولیاں اس کے سینے اتار لوں پھر اس باسٹرڈ کو بھی دیکھ لوں گا۔

آج وہ اپنے باپ کے ڈیرے پر آیا تھا۔ جہاں اس کے باپ کی خفیہ تجوری رکھی ہوئی تھی۔ اور یقیناً اس میں اس کے باپ نے وہ تمام خفیہ اور ضروری کاغذات

بھی رکھے ہوں گے جو ان کے خاندان کے لیے ضروری ہوں۔

گن پوائنٹ پر باپ کے وفادار سے ان کے کمرے کی چابی لے کر کمرے میں آیا اور پورا کمرہ چھان مارا۔ وہاں پڑے ایک گلدان میں اسے اپنے باپ کی تجوری کی چابی ملی۔ چابی حاصل کر کے اس نے جلدی سے تجوری کھولی۔ حسب توقع وہاں زمینوں کے حویلی کے سب کاغذات موجود تھے۔ اور انھیں کاغذات میں اسے وہ گوہر نایاب بھی مل گیا جس کی اسے تلاش تھی۔ وہ

اس کا نکاح نامہ تھا۔ اس نے دشمن اول کا پتہ لگانے کو سرسری سا وہ کاغذ کھول کر دیکھا تب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ جازم نے گرنے سے بچنے کو بے اختیار پاس پڑے صوفے کی پشت تھام لی تھی۔ اسے سمجھ نا آیا وہ کرے تو کیا کرے تب وہ، اس کا دل اس کی روح وہیں زمین پر سجدہ شکر ادا کرنے جھک گئے تھے۔

اسے پھر سے بخار ہو گیا تھا۔ مگر پھر بھی اندر کی
وحشتوں ویرانیوں سے بچنے کی خاطر وہ سکول آ گئی تھی۔
جازم بھی سکول میں موجود تھا۔ حرم کو اسے دیکھ کر
حیرت ہوئی تھی کہ وہ اب بلکل پہلے کی طرح بہتے
جھرنوں سا خاموش اور پُرسکون ہے۔ وہ یہ گتھی
سلجھا نہیں پائی۔ سارا دن کلاس میں غائب دماغی سے
گزارا۔ درد راہ ڈھونڈ کر دل و جاں میں گھسنے لگا۔ مہر
اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی کہ اسے کیا ہوا ہے
مگر اس کی جامد خاموشی وہ توڑ نہیں پائی۔ چھٹی کے

وقت وہ کلاس سے نکلی۔ مہر جانے کہاں چلی گئی

تھی وہ کوریڈور میں کھڑی انتظار کر رہی تھی۔ جب جازم

کی ایک کلاس فیلو اٹھلاتی اس تک آئی تھی۔

"چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات، بہت افسوس

ہوا۔" اس نے مصنوعی ہمدردی بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔" حرم کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"میں نے سنا تمھارا اور جازم کا بریک اپ ہو گیا ہے،

ہونا ہی تھا، اب بیوی کے ہوتے ہوئے دل بہلانے کا

"سامان کوئی مستقل تھوڑی اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

وہ نخوت سے کہتی حرم کو جیسے زندہ دفنا گئی۔ ہتک و ذلت کے احساس سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔" حرم نے غرا کر کہا" تھا۔

او پلیز، اب تم یہ مت کہنا کہ تمھیں اس کے نکاح" کے بارے میں کبھی پتہ ہی نہیں تھا، نا اس نے تمھیں بتایا، چلو میں نے بتا دیا، یہ بھی بتا دیتی ہوں کہ

دور رہو اس سے کیونکہ وہ صرف دل بہلا رہا تھا تم

سے۔"

"شٹ اپ یو بچ۔" اپنے پیچھے سے آتی ایک قہر آلود آواز

پر وہ لڑکی تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی۔ حرم تو

جیسے پتھر کی ہو چکی تھی۔ جازم نے تیزی سے اس کی

جانب آنے کی کوشش کی۔

"حرم۔" الفاظ منہ میں دم توڑ گئے۔ وہ بری طرح روتے

ہوئے وہاں سے نکل گئی تھی۔ کچھ اس کا اتنا مطمئن

انداز صبح سے اسے بدگمانی کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل گیا تھا۔

اس کے بابا شہر سے باہر گئے تھے اور گھر میں اس کی رخصتی کی تیاریاں چل رہی تھیں تو ماں آئے دن پڑوسن کے ساتھ بازار گئی رہتی تھی۔ اب بھی وہ اپنے کمرے میں بلکل اکیلی پڑی سسک رہی تھی۔ دل کی حالت عجیب تھی۔ جو پہلی مرتبہ کسی کے لیے اتنا دھڑک دھڑک کر پاگل ہو رہا تھا۔ اتنے بڑے صدمے

کے بعد بھی جازم کی وجہ سے اسے کہیں نا کہیں یہ سکون تھا کہ وہ اس مسئلہ کا کوئی حل نکال لے گا لیکن اس ظالم شخص کا اتنا اطمینان ناقابلِ برداشت تھا۔ اور اوپر سے یہ سچ کہ اس کا بھی نکاح کسی کے ساتھ ہو چکا ہے بلکل ہی شکست سے دوچار کرتا اسے تنکوں کی طرح بکھیر گیا تھا۔ جس وقت وہ ظالم سردار مسکراتے بے تحاشا اطمینان سے بڑے حق سے اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا تب وہ اپنی ناقدری پر آنسو بہا رہی تھی۔

حرم۔" اس نے نرمی سے پکارا گویا سوکھے جنگل کو آگ دکھا دی۔

"مر گئی ہے حرم، اب کیا لینے آئے ہیں یہاں، میری بے عزتی اور بے بسی کا تماشا دیکھنے آئے، جائیے اپنی بیوی کے پاس جائیے کہ حرم تو آپ کے لیے دل بہلانے کا سامان تھی ناں۔" وہ نا اٹکی نا جھجھکی یہ اذیت کی انتہا تھی کہ وہ یوں شیشے کی طرح چٹخ گئی تھی۔ ادھر وہ میرون رنگ کے لباس میں ملبوس نیلی جھیلوں سے پھنکارتے قہر کو نظر انداز کیے محبوب کی

سرکش اداؤں پر بھی نثار ہوا۔ تب گہرا مسکراتے اس کے پاس بہت قریب پلنگ پر بیٹھ گیا۔

اپنی بیوی کے پاس ہی آیا ہوں میری جان۔" اس" نے سادگی سے کہا مگر حرم کو تو گویا پتنگے لگ گئے تھے۔

زیادہ بنائیے مت مجھے، جائیں یہاں سے کہ ہمارے" راستے آج سے الگ الگ ہیں۔" وہ پھنکار کر بولی مگر اگلے لمحے حرم معراج کے ہوش اڑے تھے کہ جازم نے

اس کی نازک کمر کے گرد بازو حمائل کیے اسے اپنے سینے میں بھینچا تھا۔

"راستے الگ نہیں ہیں میری جان منزلیں ایک ہیں، میں تو تمھیں بہت بڑا سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر اس لڑکی نے ساری پلاننگ برباد کر دی۔" وہ مسکرایا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ، چھوڑیں مجھے۔' وہ تڑپ اٹھی لیکن جازم نے اس کی پشت پر ہاتھ کا دباؤ یوں بڑھایا کہ وہ دم سادھ گئی چہرہ پل میں لال بھبھوکا ہو گیا۔ جازم نے اپنی پینٹ کی جیب سے ایک کاغذ نکال

کر اس کی آنکھوں کے سامنے کیا تھا۔ جسے دیکھ وہ مچلتی ہوئی پوری طرح سن ہو گئی بلکل اپنی جگہ ساکت و جامد۔

"یہ میرا یعنی جازم کبیر جہانگیر شیرداد کا نکاح نامہ ہے، جس پر میری دلہن حرم معراج اور اس کے بابا دانش خان کے سائن ہیں، اسی لیے بنا نہیں رہا سچ بول رہا ہوں کہ اپنی بیوی کے پاس ہی آیا ہوں اسے منانے، اسے اپنی جنون خیزی اور دیوانگی کی ہلکی سی جھلک دکھانے۔"

حرم پھٹی پھٹی آنکھیں لیے وہ نکاح نامہ دیکھ رہی تھی جس پر اس کا چھوٹا سا انگوٹھا لگا ہوا تھا اور اس کے بابا دانش خان کے سائن تھے۔ وہ نکاح نامے میں مگن تھی جبکہ وہ محرم دل وجان کو جو اس کی روح میں پروئی ہوئی تھی اتنے قریب سے دیکھ کر اپنے ہوش پوری طرح اڑا بیٹھا تھا۔ بھیگی پلکیں رت جگے کے باعث سرخ خمار آنکھوں میں بھرے وہ اسے اچھا خاصا ڈسٹرب کر گئی تھی۔ اس کے جذبات و احساسات تو پہلے ہی بے تحاشا بے لگام اور منہ زور تھے اور اب تو

دشمن جاں پر حقِ ملکیت بھی پوری پوری تھی تو وہ کیوں ناں شیر ہوتا۔

آپ کا نام ہی ک،کبیر ہے۔" کہتے اس کا گلا پھر سے رندھ گیا تھا۔ یہ قدرت نے ایسی کون سی نعمت اس کی جھولی میں ڈالی تھی کہ جو اس سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ یہ کیسا روح فرسا انکشاف تھا جو اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو لے آیا تھا۔ خدا نے ان دونوں کو کسی بہت بڑی آزمائش سے بچا کر تمام

عمر کے لیے ایک دوسرے کا ساتھ عطا فرما دیا تھا اور وہ اتنے عرصے سے یونہی لڑ جھگڑ رہے تھے۔

ادھر جازم نے جھک کر اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی پہلی مہر ثبت کی تھی۔ وہ پھر رکا نہیں اس کا گلابی چہرہ اپنی محبت کی پاکیزگی بھری شبنم سے بھگوتا رہا۔ جبکہ اس ظالم سردار کی قربت کی تپش سے اسے اپنا جسم ہی نہیں روح تک جھلستی محسوس ہوئی تھی تبھی وہ بری طرح گھبرائی تھی۔

جازم، پلیز۔" اس نے اپنے اور اس کے بیچ حد بندی قائم کرنا چاہی۔

"آج بھی روکو گی، آج مت روکو، تم میری ہو اور میں صرف تمھارا۔" وہ موم کی طرح پگھل رہا تھا شاید اسی لئے دل و جاں میں اٹھتے مہکتے بہکے جذبے سر اٹھانے لگے۔ حرم اس کے منہ زور جذبات کے سامنے بے بس ہوئی۔

"جازم مت کریں، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔"

اس کی اس قدر شدت اور ایسی دہکتی قربت اس کے

حواس چھین رہی تھی دل بے ہنگم سا ہو کر وہاں

وہاں دھڑکنے لگا جہاں جہاں وہ اسے اپنے مہکتے لمس

سے مہکا رہا تھا۔اس نے حرم کے انکار کی پرواہ نہیں

کی نا اس بات کی بیشک وہ پوری طرح اس کی ہے مگر

ابھی اسے اس سب کی اجازت نہیں۔ جوانی کے جوش

میں بہکا وہ اپنی ہر حد پار کر گیا۔

وہ بے یقین سا تھا۔ جس کو منانے آیا تھا اسے پہلے

سے کئی گناہ زیادہ ناراض کر دیا تھا۔ وہ لڑکی جس کا

ایک آنسو اسے اپنے دل پر گرتا محسوس ہوتا تھا۔ اب اس کی سسکیاں اور آہیں پورے کمرے میں گونج رہی تھیں مگر وہ بے بسی کی مورت بنا بیٹھا تھا کہ اتنی ہمت بھی نہیں تھی اسے چپ کرا سکے۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی اسے اذیت و تکلیف کی گہری کھائی میں دھکیل گیا تھا کہ وہ معصوم تھی اس سب سے پوری طرح انجام تھی۔ جازم کو اسے نرمی، محبت صبر و تحمل اور سبک رفتاری سے ڈیل کرنا چاہیے تھا مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ وہ جو اتنے عرصے سے اپنے جذبات اپنے اندر

دبانے کی کوشش کر رہا تھا وہ ایک اشتعال میں آئی بپھری ہوئی لہر کی طرح اپنے ساتھ سب کچھ بہا کر لے گئی تھی۔

حرم۔" جازم کا اسے پکارنا ہی غضب ہو گیا۔"

کر لی ہو اپنی ہوس پوری تو اب جا سکتے ہیں آپ۔" وہ" یوں چیخی کے حلق میں خراشیں پڑ گئیں تھیں ۔ جازم کا ندامت و شرمندگی سے برا حال تھا۔

"!!حرم کچھ غلط نہیں"

جائیں یہاں سے، چلیں جائیں، میں شکل بھی نہیں "

"دیکھنا چاہتی آپ کی۔

وہ بلک رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ جازم کو سمجھ نا آیا کہ

وہ ایسا کیا کرے کہ وہ چپ ہو جائے اسے منا لے۔

اس نے ایسا احتجاج کیا کہ جازم کو وہاں سے نکلنا پڑا۔

پیچھے اس کی کیا حالت تھی وہ بے خبر تھا۔

زارا خاتون نے بری طرح روتے ہوئے اپنے شوہر کو" کال ملائی جب وہ اور ان کی ساس گھر لوٹے تو حرم کو بیہوش پایا تھا۔ صد شکر کے دانش خان اپنے شہر واپس لوٹ چکا تھا۔ وہ سر کے بل گھر بھاگا آیا ۔ وہ لوگ حرم کو لیے قریبی پرائیویٹ کلینک آئے تھے۔ دانش خان نے جہانگیر شیر داد کو فون کر کے حرم کی اتنی طبیعت خرابی کا بتا دیا تھا۔

وہ بے حد پریشانی کے عالم میں ڈیرے سے حویلی آئے تھے۔ اپنے کمرے سے ضروری چیزیں لے کر باہر نکلے تو سامنے سے ہی جازم آتا دکھائی دیا۔ جیسے جہانگیر شیرداد کے چہرے سے پریشانی چھلک رہی تھی ویسے ہی جازم بھی بہت پریشان حال دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اسے سامنے پا کر پل بھر کو وہاں رکے تھے۔

"تم ڈیرے پر گئے تھے، ڈاکوؤں کی طرح تجوری کھولی اتنی بیہودگی کا مظاہرہ کیا، کوئی صبر و تحمل نام کی چیز ہے بھی کہ نہیں تم میں، میں باپ ہوں تمھارا کوئی

دشمن تو نہیں تھا جس پر بھروسہ تک نا کیا، میں تو تمھیں تمھاری رخصتی پر سرپرائز دینا چاہتا تھا مگر تمھاری بیہودگی نے سب بگاڑ دیا، تو اب یہ تو پتا چل ہی گیا ہوگا کہ تمھاری بیوی کون ہے، کلیجے میں پڑی ٹھنڈ کے نہیں؟" آج جہانگیر شیرداد پھنکارتے لہجے میں اسے ڈانٹ رہے تھے پھٹکار رہے تھے آج پہلی مرتبہ ان کی ڈانٹ پھٹکار پر غصے کی بجائے اسے سکون مل رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا وہ یہ ڈیزرو کرتا ہے۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے سب سن رہا تھا۔ مان چکا تھا کہ اس کی

بے صبری نے سب کچھ برباد کرنے میں کوئی کثر نہیں چھوڑی ہے۔

ویسے تمھاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ تمھاری" محبوبہ بیوی ہسپتال پڑی ہے، پتہ نہیں کیا ہوا ہے ہٹو راستے سے تمھاری ماں گاڑی میں انتظار کر رہی ہے میرا مجھے ہسپتال جانا ہے۔" انھوں نے عجلت بھرے لہجے میں کہتے اس کے رہے سہے اوسان بھی خطا کیے تھے۔

"بابا مجھے حرم کے متعلق کچھ کہنا ہے آپ سے، وہ نگاہیں جھکائے ندامت بھرے انداز میں جیسے بولا تھا جہانگیر شیرداد ٹھٹھک گئے تھے۔

"بولو، کیا ہوا ہے، اب کیا کیا ہے تم نے۔" انھوں نے کہتے قہر آلود نگاہ اپنے بیٹے کے شرمندگی سے بھرپور چہرے پر ڈالی۔

"بابا وہ مجھ سے ناراض ہو گئی تھی، میں اس کو بتانے گیا کہ میں ہی اس کا شوہر ہوں تو!!! وہ رک گیا

جھجھک گیا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا موقع آیا تھا کہ وہ اپنی بات کہتے خوفزدہ ہوا تھا۔

چٹاخ!!!! اس کی بات مکمل ہوئی تو پے در پہ تین چار" زناٹے دار تھپڑ اس کا منہ سرخ انگارا کر گئے مگر وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نا ہلا بلکہ نگاہیں جھکائے ان کے سامنے کھڑا رہا۔

اور تم کہتے ہو تم اس سے محبت کرتے ہو، خبیث" انسان اپنی محبت کو یوں رسوا نہیں کرتے، اگر تم میرے بیٹے نا ہوتے تو تمھاری اس بے صبری اور نیچ

حرکت پر میں تمھیں گولی مار دیتا، مانا کہ وہ تمھاری ہے تمھارا پورا حق ہے اس پر مگر مرد کو عورت کا سربراہ اس لئے نہیں بنایا جاتا کہ وہ جب چاہے اس کے سامنے بھیڑیے کا روپ اختیار کر لے، رخصتی ہو گئی تھی؟ اس کے باپ نے اسے تمھارے سپرد کر دیا تھا؟ تو تم نے کیوں کیا ایسا؟ میں اپنے دوست کو کیا منہ دکھاؤ گا جازم شرم سے ڈوب مرو۔" ان کا سانس پھول چکا تھا۔ قہر ساماں تاثرات اور آنکھوں سے برستی جارحیت لیے وہ اسے دھکا دیتے وہاں سے نکلے تھے۔

وہ جو سر جھکائے یہ لعنت ملامت سن رہا تھا تڑپ کر ان کے پیچھے لپکا۔

حرم کے مکمل چیک اپ کے بعد ڈاکٹر کمرے سے باہر آئی تھی جہاں دانش خان اور زارا خاتون پریشان حال سے ڈاکٹر کی جانب لپکے تھے۔

ڈاکٹر کیا ہوا ہے میری بچی کو مجھے بتائیں نہیں تو"

مجھے بھی کچھ ہو جائے گا۔" زارا خاتون نے روتے

ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

"کوئی صدمہ لگا ہے، نروس بریک ڈاؤن ہوتے بچا ہے

لیکن اس آدھے ہونے نے ہی بچی کو پوری طرح

نڈھال کر دیا ہے، اور مجھے آپ لوگوں کو یہ بتاتے

ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ بچی کے ساتھ کچھ غلط۔"

"کچھ غلط نہیں ہوا ہے اس کے ساتھ، بیوی ہے وہ

حازم جہانگیر شیرداد کی، جو ہوا ہم دونوں میاں بیوی کے

پیچ ہوا ہے، آپ اس کی بیماری پر توجہ دیں اور اس کا
بہترین علاج کیجئے، مجھے وہ سہی سلامت اپنے پاس
چاہیے، آئی سمجھ آپ کو یا نہیں۔" وہ وہاں اپنے ماں
باپ کے ہمراہ آیا اور بلا جھجھک سب کے سامنے جیسے
اپنے جرم کا اعتراف کرتا سب کو سناٹوں کی زد میں
لے آیا۔ جبکہ ڈاکٹر اس کی بات سن کر سر ہلاتی واپس
کمرے میں چلی گئی۔ جہانگیر شیرداد اور ان کی بیگم نسیم
کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ جازم کی بات پر وہ

اسے پھر سے مارنے کو لپکے مگر دانش خان نے انھیں راستے میں ہی روک لیا تھا۔

حرم کا علاج ہوا۔ ڈاکٹر نے جب ان سب کو نوید سنائی کہ وہ بلکل ٹھیک ہے تو سب کی جان میں جان آئی۔

وہ بڑی مشکل سے سنبھلی تھی۔ وہ جہانگیر شیرداد اور نسیم بیگم سے پہلی مرتبہ ملی تھی مگر جہانگیر شیرداد نے اسے بلکل بھی محسوس نا ہونے دیا کہ وہ ان سے پہلی مرتبہ ملی رہی ہے نسیم اور جہانگیر شیرداد نے اپنی شفقت و محبت سے اس کی تمام جھجھک دور کر دی۔ جہانگیر

شیرداد نے معاملہ پوری طرح اپنے ہاتھ میں لیتے اپنی بیٹی جیسی بہو کو کسی بھی قسم کی پریشانی سے بچا لیا تھا۔

وہ گھر آئی۔ ماں باپ نے اسے بہلا لیا۔ یہ سکون رہا کہ وہ اس کے سامنے نہیں آیا۔ نہیں تو اسے ڈر تھا وہ اس کی اتنی ناراضگی کے باجود پھر سے خود کو اس کے سر پر مسلط رکھے گا۔ مگر راوی نے چین ہی چین لکھا تو حرم بھی کچھ پرسکون ہو گئی۔

وہ رخصتی جو تین ماہ تک ہونی تھی اب ایک ماہ کہ اندر اندر اس کی تمام تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن حرم نے سنا تو بدک گئی۔

"بابا مجھے یہ شادی نہیں کرنی، مجھے شیر انکل کے بیٹے کے ساتھ نہیں رہنا۔" اس نے صاف انکار کیا تو دانش خان لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا۔ حرم کو لگا کہ اس پر گزرنے والی مصیبت سے اس کے ماں باپ انجان ہیں۔ لیکن دانش خان کو پتہ تھا اسے اس کی معصوم بیٹی کو اب بہلانا پھسلانا پڑے گا۔

ٹھیک ہے میرا بچہ جیسے چاہے گا بلکل ویسا ہوگا، میں"
اور تمھاری ماں ہم تمھارے ساتھ شیر انکل کے گھر
جائیں گے، وہ اور نسیم اماں تو بہت اچھے ہیں ناں، ہم
ان کے ساتھ رہیں گے، شیر انکل کے بیٹے کو بلکل
لفٹ نہیں کروائیں گے۔" دانش خان نے اسے بہلا
لیا۔ وہ مطمئن ہو گئی۔ پھر پوری دھوم دھام سے اس
کی رخصتی ہوئی۔ شادی میں مہر اس کے ساتھ ساتھ
رہی۔ اس نے بتایا کہ چوہدریوں کے رشتے کے پینگے کی
وجہ سے اس کی رخصتی بھی چند دنوں میں کر دی

جائے گی۔ تبھی وہ اپنی پریشانی بھلائے حرم کے ساتھ ساتھ رہی۔

وہ رخصت ہو کر حویلی آئی حویلی میں منایا گیا جشن پورے علاقے نے دیکھا۔ اس کے علاوہ پورے گاؤں میں جشن منایا گیا۔ پورے گاؤں کے لئے عام دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔

وہ کسی پریوں کے دیس کی سلطنت کا شہزادہ خوشی و شادمانی سے چور سیاہ ٹوپیس میں لبوں پر آسودگی بھری مسکراہٹ سجائے حویلی کی بیٹھک میں اپنے دوستوں

کے ساتھ ان کی ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ انجوائے کر رہا تھا۔ اس کے لیے اس کے مخلص دوست اس سے بھی زیادہ خوش تھے۔ بار بار اس کی نظر اتارتے نہیں تھکتے تھے۔ عمر موسی اور ارسلان نے اس کی شادی میں خوب ارمان نکالے تھے۔

رات کے نو بجے کا وقت تھا۔ تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے اور لاونج میں اس وقت جہانگیر شیرداد ، دانش خان بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ نسیم رسوئی میں تھیں اور زارا خاتون بیٹی کے پاس اس کے کمرے میں اسے

کھانا کھلانے گئیں تھیں۔ لیکن کچھ ہی دیر میں پریشان حال سی دانش خان کے پاس آئیں ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی۔ تھیں۔

جشن کا ماحول زرا سا سرد پڑا تو وہ تقریباً نو بجے دوستوں کو رخصت کر کے بیٹھک سے حویلی کے اندر آیا۔ اس کے باپ نے اسے صاف صاف الفاظ میں کہا تھا وہ اپنا بندوبست کہیں اور کر لے کیونکہ آج سے اس کے کمرے میں ان کی لاڈلی بہو نے راج کرنا تھا۔

اندر آتے اس کے قدموں کو زمین نے جکڑ لیا تھا وہ ساکت و جامد اپنی جگہ پر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

کیا ہوا زارا، سب ٹھیک تو ہے ناں، اتنی پریشان کیوں ہو۔" دانش خان نے پوچھا تب نسیم اور جہانگیر شیرداد بھی ان کی جانب پوری طرح متوجہ ہوئے تھے۔

وہ حرم کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے حرم کے" بابا، بار بار قے کئے جا رہی ہے، مجھے تو کچھ دن سے ہی محسوس ہو رہا تھا اب یقین ہو گیا ہے کہ آپ نانا بننے والے ہیں شاید۔" زارا بیگم کی بات پر سب پر

جیسے شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ سمجھ نا آیا بے تحاشا خوشی کا اظہار کریں یا اتنی کم عمری میں اس چھوٹی سی جان کے ناتواں کندھوں پر اتنی بھاری اور بڑی زمہ داری پڑ جانے پر افسوس۔

نسیم بیگم کھڑی کیوں ہیں جلدی سے مٹھائی لے کر" آئیں سب کا منہ میٹھا کروائیں، دیکھا دانش خان میری بچی کے قدم ہمارے لیے کرنے مبارک ہیں کہ حویلی میں پڑتے ہی مجھ پر نعمتوں ، رحمتوں اور برکتوں بھری "خوشیوں کی برسات ہونے لگی ہے۔

جہانگیر شیرداد کی آنکھیں خوشی و تشکر کے احساس سے تیزی سے بھیگ گئیں تھیں۔ تبھی دوست کے گلے لگ گئے تو دانش خان بھی نم نگاہیں لیے مسکرا دیئے۔ جازم بھی اندر آ چکا تھا۔ یہ احساس اتنا انوکھا اور اچھوتا تھا کہ وہ گم صُم سا اپنے بڑوں کے بیچ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ دانش خان اور زارا خاتون نے سب کچھ بھلا کر داماد کے سر پر ہاتھ رکھتے اسے باپ بننے کی مبارک باد دی تھی۔

ابھی مبارک باد کا سلسلہ چل ہی رہا تھا جب نسیم بیگم کی بات پر وہ سب چونک سے گئے۔

"جازم کے بابا، ماشاءاللہ بھری پڑی حویلی ہے، ملازمین کی پوری فوج ہے حویلی میں، اگر جازم آج اپنے کمرے میں نہیں گیا تو کل کلاں کوئی اونچ نیچ نا ہو جائے یا کوئی بات نا نکل آئے۔" انھوں نے سب کی توجہ دوسری جانب دلائی۔

"لیکن حرم۔" جہانگیر شیرداد حرم کے واویلے کی وجہ سے تذبذب کا شکار تھے۔

میں اسے منا لوں گا بابا، اب وہ میری زمہ داری"

ہے، میری پچھلی کوتاہیاں اور غلطیاں میری آخری

بھول سمجھ کر معاف کر دیں، میں وعدہ کرتا ہوں آپ

سب سے، کبھی اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤں گا

کبھی اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں آنے دوں گا، آپ

سب سے زیادہ خیال رکھوں گا اس کا۔" وہ بڑے

جذب کے عالم میں بولا تھا۔ لہجے میں سچائی اور پختہ

ارادے کی مضبوطی چھلک رہی تھی۔ تب جہانگیر شیرداد

اور نسیم بیگم نے نم نگاہیں لیے اسے سینے میں بھینچ لیا۔

وہ روبی ریڈ کلر کے عروسی لباس میں خود سے اور اپنی طبیعت سے بیزار بیڈ پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔ جازم جو اسے منانے کی نیت لیے اور اس بات کا تہیہ کیے کہ اب کبھی یوں اپنے ہوش کھوتے بے اختیار نہیں ہوگا اس پری پیکر کو پہلی مرتبہ یوں کیل کانٹوں سے لیس سجا سنورا دیکھ اسے اپنے تمام تر

ادارے بھر بھری ریت کی مانند ڈھیر ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ تو سادگی میں اس کے دل پر قیامت بن کر گزری تھی اب تو ہلکے میک اپ ، جیولری اور اس عروسی لباس میں اس قدر حسین پری وش لگ رہی تھی کہ جازم جہانگیر پتھر کی مورت بنا اس کو دیکھتا رہ گیا۔ آہٹ محسوس کرتے حرم کسمسائی تھی۔

"ماں، میں نے اور کچھ بھی نہیں کھانا بس یہ کپڑے بدلنے ہیں مجھے۔" اس کے الفاظ منہ میں ہی دم توڑ گئے جب ایک مخصوص پرفیوم کی خوشبو اس کے نتھنوں

سے ٹکرائی۔ وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی چہرے پر ہوائیاں سی اڑ گئیں اسے سامنے پا کر وہ بدک گئی۔

آپ، آپ یہاں کیوں آئے ہیں، شیر انکل نے کہا" تھا آپ میرے کمرے میں نہیں آ سکتے، جائیں یہاں سے نہیں تو میں چلی جاتی ہوں۔" وہ کہتی بھاری بھرکم لہنگا اٹھاتی بستر سے نیچے اتاری تھی۔ جازم کو آن کی آن شدید ندامت کے احساس نے آن گھیرا کہ وہ اس کی موجودگی سے ہی کتنا خوفزدہ ہو گئی تھی۔ حرم بستر

سے نیچے اتری تو اس کا سر چکرا گیا۔ جازم تڑپ کر آگے بڑھا اور اس کا بازو تھامنے کی کوشش کی۔

خبردار، ہاتھ مت لگانا آپ مجھے۔" وہ زخمی شیرنی سی" غرائی تھی۔

نہیں لگاؤں گا، تمھاری اجازت کے بغیر تو بلکل نہیں" ،وعدہ کرتا ہوں، حرم اعتبار کرو مجھ پر، پلیز آئم سوری مجھے معاف کر دو۔" جازم نے نرمی و حلاوت بھرے لہجے میں کہا تو وہ ٹھٹھک کر رکی اور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ شاید اس کی نگاہوں میں اپنی بات کی سچائی

تلاشنی چاہی تھی۔ مگر ان خوابیدہ نگاہوں میں خاص جذبوں کی اتنی لپک اور تڑپ تھی کہ وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ ہی نہیں پائی اور نگاہیں جھکا گئی۔

"ریلیکس رہو حرم، تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں بیٹھ جاؤ، جازم نے کہتے نرمی سے تھام کر اسے بیڈ پر بٹھا دیا۔ ' وہ خاموش تھی اس کا سانس بری طرح پھول چکا تھا جیسے جانے کتنی مسافت طے کی ہو۔

"مجھے معاف نہیں کرو گی حرم۔" اس نے نرمی سے کہا تو جانے کون سے احساس کے بوجھ تلے دبے حرم

نے اس کے کشادہ سینے پر اپنا ماتھا ٹکایا اور سسک پڑی۔ جازم نے سکون سے آنکھیں موندے جذب کے عالم میں اس کے ماتھے پر اپنے دہکتے لب رکھے۔۔

جازم کے لبوں پر ایک آسودگی بھری مسکان سجی ہوئی تھی۔ اس نے بے حد توجہ سے اس کی تمام بدگمانی پلوں میں دور کر دی۔

میں بہت زیادہ تھک گئی ہوں۔" اس نے چھوٹے" بچوں کی طرح منہ بسور کر کہا تو جازم جہانگیر نے لبوں پر مچلتی مسکراہٹ کا گلا بمشکل گھونٹا تھا۔ جازم نے

اسے خود سے الگ کیا۔ اور بغور اس نازک سی پری پیکر کو دیکھا۔ اتنی سی عمر میں جازم نے کس بھاری زمہ داری اور بوجھ کا پہاڑ اس کے ناتواں کندھوں پر ڈال دیا تھا اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آ رہا تھا اور دل میں عجیب سی ندامت بھری شرمندگی کا احساس جاگ رہا تھا۔

جازم نے بہت آہستگی سے اسے جیولری کے بھاری بوجھ سے آزاد ہونے میں مدد کی۔ وہ اٹھا اور اس کے بیگ سے اس کا آرام دہ سوٹ نکال کر لایا۔ اس کا

ہاتھ تھاما اور اسے ڈریسنگ روم تک چھوڑ کر آیا۔ کچھ ہی دیر میں بے بی پنک کلر کے آرام دہ سوٹ میں وہ باہر آئی۔ سامنے وہ بھی اب سادہ سیاہ شلوار قمیض میں اپنے کف کہنیوں تک فولڈ کرتا اسے دیکھ کر اپنی جگہ پر سٹل ہوا تھا۔ جبکہ حرم پھر سے اسے اس طرح خود کی جانب دیکھتے دیکھ کر بری طرح کنفیوز ہوتی چھوٹے قدم اٹھاتی بیڈ پر آن بیٹھی۔ سامنے ہی وہ شہزادوں سی آن بان شان لئے اپنی تمام تر وجاہت سمیت اس کے

سامنے تھا اور صرف اس کا تھا۔ (کیا یہ حرم (جازم جہانگیر کی خوش نصیبی نہیں تھی؟

کیا ہوا ہے؟" حرم نے نروٹھے پن سے پوچھا تھا۔"

"اپنی حق حلال کی بیوی سے محبت ہو گئی ہے۔"

اس کا لہجہ سادہ تھا مگر آنکھوں میں بلا کی شرارت بھری چمک۔

اور یہ انہونی کب ہو گئی؟" وہ اس کے یوں دیکھنے" کے انداز سے خائف تھی تبھی شیٹ کے روایتی ڈیزائن

پر انگلی پھیرتے اس سے نگاہیں چرائیں۔ وہ مسکراتا بیڈ

پر آ کر اس کے مقابل بیٹھا۔

"سال دو سال پہلے کی بات ہے، ایک روتی دھوتی منہ

بسورتی چھوٹی سی لڑکی جوتوں سمیت دل میں اتر آئی۔"

وہ یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا۔ لیکن سامنے بھی حرم تھی

جس نے کسی سے ڈرنا سیکھا نہیں تھا وہ جلد اپنی جون

میں واپس لوٹی۔

"ہونہوں، روتی بسورتی؟ سچ میں؟ آپ بھول رہے ہیں

سکول میں سب سے پہلی لڑائی میری ہی ہوئی تھی آپ

سے۔" وہ چھوٹی سی ناک چڑھا کر رہ کر بولی تو وہ قہقہہ

لگا کر ہنس پڑا۔

چلو الفاظ میں تھوڑا ردو بدل کر لیتا ہوں، سکول کی"

ایک سوکھی سڑی مگر جھانسی کی رانی لڑکی کے عشق

میں گرفتار ہوا تھا۔" جازم نے اب اس کی صحت پر

چوٹ کی تو وہ حسب معمول بلبلا اٹھی۔

میں سوکھی سڑی نہیں ہوں۔" وہ بری طرح"

جھنجھلائی۔ پوری بات میں تعریف پر فوکس کرنے کی

بجائے ایک یہ بات قابل اعتراض لگی تھی اسے تو جازم

پھر سے ہنس دیا۔

"جی ہاں، ایک چارے کی گھڑی تو اٹھائی نہیں جاتی،

گھڑی سمیت خود ہی چارے ہر ڈھیر ہو جاتے ہیں ہم

پہلوان۔" جازم کو اس کی وہ بات یاد آئی تو ہنس ہنس

کر آنکھوں میں نمی چمکنے لگی۔

"وہ، وہ، تو میں نے خود ہی نیچے پھینکی تھی۔" وہ تلملا

اٹھیں اور اس کے مسلسل ہنسنے پر اس کی کمر مکوں

سے دھن دی۔ لیکن اس پر متعلق اثر نہیں ہوا تھا۔

تار بجلی سے پتلے ہمارے رسیا۔" جازم نے مزے "

سے کہا۔

میں آپ کا خون پی جاؤں گی جازم۔" وہ چلا اٹھی۔"

کڑوا ہے کوئی فایدہ نہیں ہوگا، اکثر مجھے (شہد کی)"
مکھی کاٹ کر خود ہی مر جاتی ہے۔" جازم اس سے

جانے کس جنم کے بدلے کے رہا تھا تبھی اسے تپائے

گیا۔ وہ کسی بلی کے بچے کی طرح پنجے جھاڑتی جھٹپٹا رہی

تھی۔

آپ نے مجھے مکھی کہا؟" وہ دانت پیس کر بولی۔"

شہد کی۔" جازم نے اسے سمجھانا چاہا۔"

میں شیر انکل سے آپ کی شکایت لگاؤں گی۔" حرم" نے اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ کر کھینچ ڈالے۔ وہ "قہقہے لگائے گیا۔ "مجھے آپ سے بات ہی نہیں کرنی۔ وہ تھک چکی تھی کروٹ لے کر کسی ناراض بچی کی طرح لیٹ گئی۔ جازم ہنسے گیا۔ اور خود بھی نیم دراز ہو گیا۔

سو گئیں میری جان۔" جازم نے اونچا ہو کر اس"

کے کندھے سے ذرا سا جھانکا۔

"میں نے کہنی مار کر آپ کی ناک توڑ دینی ہے۔"

حرم نے کہتے سب مچ کہنی اس کے منہ کے آگے

لہرائی تو وہ شرافت کا مظاہرہ کرتے گہرا مسکراتا تکیہ پر

سر گرا گیا۔ خوشیاں زندگی میں دستک دیتیں اس کے

پاس سکون کے نغمے گنگنا رہی تھیں۔ جازم نے آسودگی

بھری مسکان چہرے پر سجائے اپنی آنکھیں موند لیں۔

"یار پلیز تھوڑا سا حوصلہ رکھو۔" جازم نے اسے نرمی سے سمجھانا چاہا تھا۔ وہ ناشتے کے بعد اب نڈھال سی لاونج میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ قے کر کر کے جان جیسے لبوں پر آ گئی تھی۔ وہ خود سے بھی بیزار تھی۔

"مجھے نہیں جانا کوئی پریکٹیکل وریکٹیکل دینے، آپ نے جانا ہے آپ چلیں جائیں۔" وہ حد سے زیادہ ضدی ہو رہی تھی اس نے بے چارگی سے اپنی ماں اور بابا کی جانب دیکھا تو دونوں نے ایسے کندھے آ جائے جیسے کہنا چاہتے ہو اب اوکھلی میں سر دیا ہے تو بھگتو۔

"حرم، تم نے اتنی زیادہ محنت کی ہے یار سب بے کار چلی جائے گی، پریکٹیکل کی نوٹ بک بھی میں نے تیار کی ہے تم نے تو صرف کالج تک جانا ہے۔" اس نے پھر سے نرمی سے کہا۔ جانے اس کے چہرے پر کرنے بے چارے سے تاثرات تھے کہ وہ اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اٹھی۔ دونوں اس وقت کالج یونیفارم میں تھے۔ دونوں کا ہی بائیولوجی کا پریکٹیکل تھا۔ جازم نے اس کا ہاتھ نرمی سے تھاما۔ اور اسے لا کر گاڑی میں بٹھایا۔

وہ دونوں کالج پہنچے اس کا ہاتھ تھامے ہی جب جازم کالج میں داخل ہوا تھا سب کی نگاہیں ان پر آ کر ٹھہر سی گئیں تھیں۔ کالج میں سب کو ہی علم تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے ہی بنے تھے۔ انھیں ایک دوسرے کا ہی ہونا تھا۔ جازم نے اس کا ساتھ نا دیا ہوتا تو اتنی طبیعت خرابی کے باعث وہ کبھی یہ امتحان نہیں دے پاتی۔ اور جازم نہیں چاہتا تھا اس کی سال بھر کی محنت برباد ہو جائے۔

پریکٹیکل کے بعد وہ اسے لئے کھالی پر آیا تھا۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کھیتوں اور باغات کی ہریالی ، موسم اور تازہ ہوا نے اس کی طبیعت پر اچھا اثر ڈالا اب وہ دونوں کھالی کے کنارے پر بیٹھے تھے اور حرم نے اس کے کندھے سے سر ٹکا لیا۔

تمھیں ابھی تک علم نہیں تمھاری طبیعت کیوں" خراب ہے حرم؟" جازم کے لہجے میں محبت اور فکر مندی تھی۔ حرم کا خیر بھانپ چھوڑنے لگا۔

مجھے پتہ ہے، امی نے بتایا تھا۔" وہ کہتی سر جھکا" گئی۔

میں بہت زیادہ فکر مند ہوں، ڈر گیا ہوں، آگے جانے" کیا ہوگا۔" جازم کے لہجے میں بے بسی اور ندامت سے تھی جو حرم کو دل سے محسوس ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کریں گے، آپ کو پتہ نہیں" آپ کی حرم کتنی بہادر ہے۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں انتہائی مضبوط لہجے میں کہا تو جازم اس کی جانب دیکھ کر رہ گیا۔

تم میری محبت ہی نہیں ، میرا فخر اور میرا غرور ہو

حرم۔" جازم نے جھک کر عقیدت سے اس کے ماتھا

چوما تھا۔ وہ آسودگی بھری مسکراہٹ لیے آنکھیں موند

گئی۔ کہ اس لمس کی نرمی نے اسے چپکے سے نئے

آنے والے خوشیوں بھرے دنوں کی نوید سنائی تھی۔

☆☆☆☆☆

ختم شد۔۔۔۔۔۔